

یالی جبریل



اقبال

بالِ جبریل

اقبال

بال جبریل
نفس منجیل

اُٹھ کر خورشید لالہ میں سفر تازہ کریں
 نفس کو خستہ و شام و سحر تازہ کریں

انبار

اُمُّ کُله خورشید کا سامانِ سب سے تازہ کریں
 نفسِ سوختہ شام و سحر تازہ کریں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

۱

مری نوائے شوق سے شورِ حریمِ ذات میں !

نفلد لے لے الاماں بستکدہ مفاہت میں !

حور و فرشتہ ہیں اسیرِ سرِ تمہیدت میں

مری نگاہ سے خللِ تبریِ بقیات میں !

گرچہ ہے میری جستجو دیرِ حریم کی نقشہ بند

مری مفاہ سے رستخیز کو برسرِ مفاہت میں !

گاہِ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود

گاہِ الجھنے رہ گئی سے توہمات میں !

تو نے یہ کیا غضب کیا ! محبوب بھی شکر کر دیا

میں ہی تو ایک رازِ حاسیہ گمان میں !

۵
بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

غزلیات (حصہ اول)

- | | | |
|--------|--|---|
| ۳۴۵/۲۱ | میری نوائے شوق سے شورِ حریم ذات میں | ۱ |
| ۳۴۶/۲۲ | الرجز زوہیں انجسم آسماں تیرا ہے یا میرا؟ | ۲ |
| ۳۴۷/۲۳ | گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر | ۳ |
| ۳۴۸/۲۴ | اثر کرے نہ کرے بس تو لے مری فریاد | ۴ |
| ۳۴۹/۲۵ | کیسا عشق ایک زندگی مستعار کا | ۵ |
| ۳۵۰/۲۶ | پریشاں ہو کے میری خاکِ آخرِ دل نہ بن جائے | ۶ |
| ۳۵۱/۲۷ | دلِ لکڑیوں ہے جہاں تاروں کی لکڑش تیز ہے ساقی | ۷ |
| ۳۵۲/۲۸ | لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی! | ۸ |

- ۹ مٹا دیا میرے ساتی نے عالم من تو ۳۵۲/۲۸
- ۱۰ متاع بے بہا ہے درد و سوزِ آرزو مندی ۳۵۲/۲۸
- ۱۱ تجھے یاد کیا نہیں ہے میرے دل کا وہ زمانہ ۳۵۳/۲۹
- ۱۲ ضمیرِ لالہ میرے غسل سے جوالب لیز ۳۵۳/۳۰
- ۱۳ وہی میری کم نصیبی، وہی تیری بے نیازی ۳۵۴/۳۰
- ۱۴ اپنی جولاں گاہ زیرِ آسماں سمجھا تھا میں ۳۵۵/۳۱
- ۱۵ اک دانش نورانی، اک دانش بُرمانی ۳۵۶/۳۲
- ۱۶ یارب! یہ جہانِ کزراں خوب ہے لیکن ۳۵۶/۳۲
- غزلیات (حصہ دوم)

- ۱ سنا سکتا نہیں پسائے فطرت میں مرا سودا ۳۵۹/۳۵
- ۲ یہ کون غزل خواں ہے پرسوز و نشاطِ انجیز ۳۶۳/۳۹
- ۳ وہ حرفِ راز کہ مجھ کو سکھایا ہے جنوں ۳۶۴/۴۰
- ۴ عالمِ آب و خاک و باد، بسترِ عیاں ہے تو کہ میں ۳۶۵/۴۱
- ۵ تو ابھی رہ کزرمیں ہے، قیدِ مستام سے کز ۳۶۵/۴۱

- ۶ امین راز ہے مروانِ حُر کی وریشی ۳۶۶/۴۲
- ۷ پھر چراغِ لالہ سے روشن ہوئے کوہِ دامن ۳۶۷/۴۳
- ۸ مسلمان کے لہو میں ہے سیدِ قہرِ دل نوازی کا ۳۶۸/۴۴
- ۹ عشق سے پیدا ہوا ہے زندگی میں زیرِ دم ۳۶۸/۴۴
- ۱۰ دل سوز سے خالی ہے، تکہ پال نہیں ہے ۳۶۹/۴۵
- ۱۱ ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رنیت ۳۶۹/۴۵
- ۱۲ چوچہ اس سے کہ مقبول ہے فطرت کی گواہی ۳۷۰/۴۶
- ۱۳ یہ حوریانِ مندرنگی، دلِ نطنز کا حجاب ۳۷۱/۴۷
- ۱۴ دل بیدار و روقی، دل بیدار کتراری ۳۷۱/۴۷
- ۱۵ خودی کی شوخی ٹھنڈی میں کب نماز نہیں ۳۷۲/۴۸
- ۱۶ میرِ سپاہِ ناز، لشکریاں شکستہ صف ۳۷۳/۴۹
- ۱۷ زیستانی ہوا میں کرجہ تھی شیر کی تیزی ۳۷۳/۴۹
- ۱۸ یہ دیر کُنن کیا ہے؟ انبارِ خس و خاشاک ۳۷۴/۵۰
- ۱۹ کمالِ ترک نہیں اب گل سے مہجوری ۳۷۵/۵۱

۳۷۵/۵۱	۲۰	عمتل کو آستان سے دُور نہیں
۳۷۶/۵۲	۲۱	خودی وہ جس کا کوئی کنارہ نہیں
۳۷۷/۵۳	۲۲	یہ پیام دے کئی ہے مجھے باوجود جھکاہی
۳۷۷/۵۳	۲۳	تری نگاہِ منہ و مایہ، ہاتھ ہے کوتاہ
۳۷۸/۵۴	۲۴	خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
۳۷۹/۵۵	۲۵	نگاہِ فہم میں شانِ سکندرِ مری کیا ہے
۳۷۹/۵۵	۲۶	نہ تو زمیں کے لیے ہے نہ آسماں کے لیے
۳۸۰/۵۶	۲۷	تو اے اسیرِ مہم! لامکاں سے دُور نہیں
۳۸۱/۵۷	۲۸	حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حلیمہ
۳۸۱/۵۷	۲۹	انلاک سے آتا ہے نالوں کا جوابِ آخر
۳۸۲/۵۸	۳۰	ہر شے مسافر، ہر چیز راہی
۳۸۳/۵۹	۳۱	ہر چیز ہے مجھ خود نمائی
۳۸۳/۵۹	۳۲	عجب از ہے کسی کا یا کہ دشمنِ مانہ
۳۸۴/۶۰	۳۳	خرد مندوں سے کیا پوچھوں کہ سیری ابتدا کیا ہے

۳۸۵/۴۱	جب عشق سکھاتا ہے آدابِ خود آکاہی	۳۴
۳۸۶/۴۲	مجھے آہِ فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا	۳۵
۳۸۶/۴۲	نہ چو طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں باقی	۳۶
۳۸۷/۴۳	فطرت کو حسد کے زور پر و کر	۳۷
۳۸۸/۴۴	یہ پیرانِ کلیسا و حرم اے وائے مجبوری	۳۸
۳۸۹/۴۵	تازہ پھر وائشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم	۳۹
۳۸۹/۴۵	ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں	۴۰
۳۹۰/۴۶	ٹھونڈ رہا ہے فنکِ عیشِ جہاں کا دوام	۴۱
۳۹۱/۴۷	خودی ہو علم سے محکم تو غیرتِ جبریل	۴۲
۳۹۲/۴۸	مکتبوں میں کہیں رعنائی افکار بھی ہے	۴۳
۳۹۲/۴۸	سادہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے	۴۴
۳۹۳/۴۹	رہا نہ حلفتِ صوفی میں سوزِ شتاقی	۴۵
۳۹۳/۴۹	چوانہ زور سے اس کے کوئی گریباں چاک	۴۶
۳۹۴/۵۰	یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کوہِ پریشان	۴۷

- ۴۸ نہ تخت و تاج میں نے لشکر و سپاہ میں ہے ۳۹۵/۷۱
- ۴۹ فطرت نے نہ بخشا مجھے اندیشہ چالاک ۳۹۵/۷۱
- ۵۰ کریں گے اہل نطنز تازہ بستیاں آباد ۳۹۶/۷۲
- ۵۱ کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی ۳۹۶/۷۲
- ۵۲ نے نہ رہا باقی، نہ نہ رہا بازی ۳۹۷/۷۳
- ۵۳ کریم فغاں ہے جبرس، اٹھ گئی قافلہ ۳۹۷/۷۳
- ۵۴ مری نوا سے چوتے زندہ عارف و عامی ۳۹۸/۷۴
- ۵۵ ہر اک معتام سے آگے گزریا سہ نو ۳۹۹/۷۵
- ۵۶ کھونہ جا اس سحر و شام میں اے صاحب پوش ۳۹۹/۷۵
- ۵۷ تھا جہاں مدرسہ شیریں شاہنشاہی ۴۰۰/۷۶
- ۵۸ ہے یاد مجھے نکتہ سلمان خوش آہنگ ۴۰۱/۷۷
- ۵۹ فقر کے ہیں معجزات تاج و سریر و سپاہ ۴۰۱/۷۷
- ۶۰ کمال جوش جنوں میں رہا میں کرم طواف ۴۰۲/۷۸
- ۶۱ شعور و جوش و خرد کا معاملہ ہے عجیب ۴۰۲/۷۸

۱۱
 قطعہ (اندازِ بیاں گرجہ بہت شوخ نہیں ہے) ۲۰۳/۷۹

رباعیات

- | | | |
|--------|----|--------------------------------|
| ۳۲۶/۲۲ | ۱ | ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے |
| ۳۲۹/۲۵ | ۲ | دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر |
| ۴۰۵/۸۱ | ۳ | رو و رسمِ حرمِ نامحرمانہ |
| ۴۰۵/۸۱ | ۴ | ظلامِ بحر میں کھو کر گنجل جا |
| ۴۰۶/۸۲ | ۵ | مکانی جوں کہ آزادِ مہکاں جوں |
| ۴۰۶/۸۲ | ۶ | خودی کی خلوتوں میں گم رہا میں |
| ۴۰۶/۸۲ | ۷ | پریشاں کاروبارِ آشنائی |
| ۴۰۶/۸۲ | ۸ | یقینِ مثلِ خلیلِ آتشِ شینی |
| ۴۰۷/۸۳ | ۹ | عرب کے سوز میں سازِ جسم ہے |
| ۴۰۷/۸۳ | ۱۰ | کوئی دیکھے تو میری نئے نوازی |
| ۴۰۷/۸۳ | ۱۱ | ہر اک ذرے میں ہے شاید مکھیں دل |

۲۰۷/۸۳	۱۲	ترا اندیشہ افلاکی نہیں ہے
۲۰۸/۸۴	۱۳	نہ مومن ہے نہ مومن کی مہیروی
۲۰۸/۸۴	۱۴	خودمی کی جہلو توں میں مصطفائی
۲۰۸/۸۴	۱۵	گندہ الجھی ہوئی ہے رنگِ بومیں
۲۰۸/۸۴	۱۶	جمالِ عشق وستی نئے نوازی
۲۰۹/۸۵	۱۷	وہ میرا رونقِ محسنِ کل کہاں ہے
۲۰۹/۸۵	۱۸	سوارِ نافتہ و مجمل نہیں میں
۲۰۹/۸۵	۱۹	ترے سینے میں دم ہے دل نہیں ہے
۲۰۹/۸۵	۲۰	ترا جوہر ہے نوری، پال ہے تو
۲۱۰/۸۶	۲۱	محبت کا جسٹنوں باقی نہیں ہے
۲۱۰/۸۶	۲۲	خودمی کے زور سے دنیا پہ چھا جا
۲۱۰/۸۶	۲۳	چمن میں رختِ گلِ شبنم سے ہے
۲۱۰/۸۶	۲۴	حسد سے راہِ روشن بھر ہے
۲۱۱/۸۷	۲۵	جوانوں کو مری آہِ سحر دے

۲۶	ترمی دُنیا جہاں مُرغ و ماہی	۲۱۱/۸۷
۲۷	کرمِ سیرالہ بے جوہرِ سیں میں	۲۱۱/۸۷
۲۸	وہی اصلِ مکان و لامکان ہے	۲۱۱/۸۷
۲۹	کبھی آوارہ و بے خانماں عشق	۲۱۲/۸۸
۳۰	کبھی تنہا تکی کوہ و دمن عشق	۲۱۲/۸۸
۳۱	عطا اسلاف کا جذبِ دروں کر	۲۱۲/۸۸
۳۲	یہ نیکیتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے	۲۱۲/۸۸
۳۳	خرد واقف نہیں ہے نیک و بد سے	۲۱۳/۸۹
۳۴	حُداقی اہتمامِ خشک و تر ہے	۲۱۳/۸۹
۳۵	یہی آدم ہے سُلطٰاںِ بحرِ برکا	۲۱۳/۸۹
۳۶	دمِ عارفِ نسیمِ صبحِ دم ہے	۲۱۳/۸۹
۳۷	رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے	۲۱۴/۹۰
۳۸	کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی	۲۱۴/۹۰
۳۹	زمانے کی یہ گردشِ باوانہ	۲۱۴/۹۰

۲۰. حکیم ہی نہ سمانی خودی کی ۲۱۴/۹۰
 ۲۱. ترا تن رُوح سے نا آشنا ہے ۲۱۵/۹۱
 قطعہ اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا ۲۱۵/۹۱

منظومات

۱. دُعا ۲۱۷/۹۳
 ۲. مسجدِ مشربطہ ۲۱۹/۹۵
 ۳. قید خانے میں معتمد کی فریاد ۲۲۸/۱۰۲
 ۴. عبد الرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا
 پہلا درخت — سرزمینِ اندلس میں ۲۲۹/۱۰۵
 ۵. چپانیہ ۲۳۰/۱۰۶
 ۶. طارق کی دُعا ۲۳۲/۱۰۸
 ۷. لینن (خدا کے حضور میں) ۲۳۳/۱۰۹
 ۸. فرشتوں کا گیت ۲۳۶/۱۱۲

- ۹ ذوق و شوق ۲۲۸/۱۱۲
- ۱۰ پروانہ اور جنگنو ۲۲۲/۱۱۸
- ۱۱ جاوید کے نام ۲۲۳/۱۱۹
- ۱۲ کدائی ۲۲۲/۱۲۰
- ۱۳ نِلا اور بہشت ۲۲۵/۱۲۱
- ۱۴ دین و سیاست ۲۲۵/۱۲۱
- ۱۵ الارضُ للہ ۲۲۶/۱۲۲
- ۱۶ ایک نوجوان کے نام ۲۲۷/۱۲۳
- ۱۷ نصیحت ۲۲۸/۱۲۴
- ۱۸ لالہ صحرا ۲۲۸/۱۲۴
- ۱۹ ساقی نامہ ۲۵۰/۱۲۶
- ۲۰ زمانہ ۲۵۸/۱۳۲
- ۲۱ فرشتے آدم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں ۲۶۰/۱۳۶

۲۲ رُوحِ ارضی آدم کا استقبال کرتی ہے

۲۶۱/۱۳۶

۲۳ پیر و مُرید

۲۶۲/۱۳۸

۲۴ جبریل و ابلیس

۲۶۳/۱۳۹

۲۵ اذان

۲۶۵/۱۵۱

۲۶ محبت

۲۶۶/۱۵۲

۲۷ ستارے کا پیغام

۲۶۷/۱۵۳

۲۸ جاوید کے نام

۲۶۷/۱۵۳

۲۹ فسخ و مذہب

۲۶۸/۱۵۴

۳۰ یورپ کے ایک خط

۲۶۹/۱۵۵

۳۱ نیپولین کے مزار پر

۲۶۹/۱۵۵

۳۲ مسولینی

۲۸۰/۱۵۶

۳۳ سوال

۲۸۲/۱۵۸

۳۴ پنجاب کے دیہقان سے

۲۸۲/۱۵۸

۳۵ نادر شاہ افغان

۲۸۳/۱۵۹

۲۸۴/۱۶۰	۳۶ خوشحال خاں کی وصیت
۲۸۴/۱۶۰	۳۷ تاتاری کا خواب
۲۸۶/۱۶۲	۳۸ حال و صحت
۲۸۶/۱۶۲	۳۹ ابو العلامہ معری
۲۸۸/۱۶۴	۴۰ سنیا
۲۸۸/۱۶۴	۴۱ پنجاب کے پیرزادوں سے
۲۸۹/۱۶۵	۴۲ سیاست
۲۹۰/۱۶۶	۴۳ فقیر
۲۹۰/۱۶۶	۴۴ خودی
۲۹۱/۱۶۷	۴۵ جدائی
۲۹۱/۱۶۷	۴۶ خانقاہ
۲۹۲/۱۶۸	۴۷ اہلبیس کی عہدداشت
۲۹۳/۱۶۹	۴۸ لہو
۲۹۳/۱۶۹	۴۹ پرواز

۲۹۲/۱۴۰	۵۰	شیخ مکتب سے
۲۹۲/۱۴۰	۵۱	فلسفی
۲۹۵/۱۴۱	۵۲	شاہیں
۲۹۶/۱۴۲	۵۳	بانغی مُرید
۲۹۶/۱۴۲	۵۴	ہارون کی آخری نصیحت
۲۹۶/۱۴۳	۵۵	ماہر نفسیات سے
۲۹۶/۱۴۳	۵۶	یورپ
۲۹۸/۱۴۴	۵۷	ازادی افکار
۲۹۸/۱۴۴	۵۸	شیر اور خچر
۲۹۹/۱۴۵	۵۹	چینوٹی اور عتاب
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(فطرت مری مانس ندیم سحری ہے)
۵۰۰/۱۴۶	قطعہ	(کل اپنے مُریدوں سے کہا پیر مُنغاں نے)



غزلیات

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے پیرے کا جگر
 مرد ناداں پر کلام نرم و نازک بے اثر
 (بھرتی بھری)

حصہ اول



میری نوائے شوق سے شوہرِ مہمات میں غلغلہ مٹائے الاماں بُت کدہ صفات میں
 حور و فرشتہ ہیں اسیرِ سرِ تختِ نبات میں سیرِ نگاہ سے خللِ تیری تجلیات میں
 کرچے میری جستجوِ دیرِ حرم کی نقشِ بند سیرِ فیض سے رستخیزِ کعبہِ منوات میں
 گاہِ مری نگاہِ سینہ چیر لیتی دل و جُجو گاہِ الجھکے رہ لیتی میرے توہمات میں
 تُو نے یہ کیا غضب کیا مجھ کو بھی فاش کر دیا
 میں ہی تو ایک از متھاسینہ کائنات میں!





اگر کج رو ہیں خبسم آسمان تیرا ہے یا میرا
 اگر تنہا مہماتے شوق سے ہے لامکان خالی
 مجھے فکر جہان میں جو جہاں تیرا ہے یا میرا
 خطا پس کی ہو کیا بلامکان تیرا ہے یا میرا
 اُسے صبح ازل انکار کی خیرات ہوئی کیونکر
 مجھے معلوم کیا وہ ازداں تیرا ہے یا میرا
 محمد بھی ترا جبریل بھی قرآن بھی تیرا
 مگر یہ حرف شہسیر تیرا جہاں تیرا ہے یا میرا

اسی کلب کی تابانی سکتے تیرا جہاں روشن
 زوالِ آدمِ حاکم کی زیاں تیرا ہے یا میرا



ترے شیشے میں سے باقی نہیں ہے
 بتا، کیا تو مرا ساقی نہیں ہے
 سمندر سے ملے پیلے کو شبہ نہم
 بخنیل ہے یہ رزاقی نہیں ہے





کیسے تاب دار کو اور بھی تاب دار کر
 ہوش و خروش کار، قلب و نظر شکار کر
 عشق بھی ہو حجاب میں حسن بھی ہو حجاب میں
 یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار کر
 تو ہے محیطِ بے لہر ان میں ہوں ذرا سی آنکھ
 یا مجھے ہلکنا کر یا مجھے بے کنا کر
 میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے لہری ابرو
 میں ہوں خرف تو تو مجھے کو پر شا ہوار کر
 نعمتِ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو
 اس دنمِ سوز لو طائر لب بہار کر
 باغِ بہشت سے مجھے حلیم سفر دیا تھا کیوں
 کا جہاں دراز ہے اب مرا تھنار کر

روزِ حساب جب مرا پیش ہو فستِ عمل
اپے بھی شہِ سار ہو، مجھ کو بھی شہِ سار کر



اثرِ کرے نہ کرے سُن تو لے مری فریا
یُستِ خالِ یہ صرصرِ وسعتِ افلاک
نہیں ہے ادکِ طالبِ سینہٴ آزا
کرم ہے یا کہ ستم تیری لذتِ ایجا
تھہر سکا نہ ہوائے چمنِ خمیرِ گل
یہی ہے فصلِ ہنسائی یہی ہے باؤ مرا
قصود از غریب الدیارِ نپولِ کین
ترا حشرِ فرشتے نہ کر کے آبا
مری جفا طبعی کو دعائیں دیتا ہے
وہ دشتِ سادہ وہ تیرا جہانِ بے بنیا
خطرِ پندِ طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستانِ جہاں لحاتِ مینِ چھوہ سیا

مقامِ شوق تے قدیموں کے بس کا نہیں
انھی کا کام ہے یہ جن کے وصلے ہیں زیا





کیا عشق ایک زندگی ستار کا کیا عشق پائدار سے ناپائدار کا
 وہ عشق جس کی شمع بجھائے جل کی چو اُس میں مزا نہیں شیش و شکر کا
 میری بساط کیلئے تبت تاب یک نفس شعلے سے بے محل ہے الجھنا شرار کا
 کہ پہلے مجھ کو زندگی جاودا عطا پھر فوق و شوق دیکھ دل بے قرار کا

کانٹا وہ دے کہ جس کی لکھٹک لڑواں ہو
 یارب، وہ درد جس کی لک لڑواں ہو!



دلوں کو مرکز مہر و منار
 حریم کبریا سے آشنا کر
 جسے نانِ جویں بخشی ہے تُو نے
 اُسے بازوئے حیدر بھی عطا کر



پریشان ہو کر میری خال آغروں نہ بن جائے
جو شکل اب ہے پیار بھر وہی شکل نہ بن جائے
نہ لڑیں مجھ کو محبوب نہ افروں میں حُریں
مراسمِ زوروں بھر کر بھی محسن نہ بن جائے
کبھی چھوٹی چوٹی منزل بھی یاد آتی ہے اسی کو
لکھتے ہی ہوسنے میں غم منزل نہ بن جائے
بنایا عشق نے دریائے ناپیدا کراں مجھ کو
یہ میری خود نگہداری مرا حاصل نہ بن جائے
کہیں اس عالم بے رنگ و بو میں بھی طلب میری
وہی افسانہ ونب اکمل نہ بن جائے

عروجِ اوجِ خالی سے انجم سمے جاتے ہیں
کہ یہ ٹوٹا ہوا تار امہ کامل نہ بن جائے



دگرگوں سے جہاں تاروں کی لڑش تیز ہے رقی
دل ہر ذرہ میں غوغائے رستا خیز ہے ساقی
ستارِ دین و شرٹ لٹی اشد الوں کی
یہ کس فراوانِ کاسرۂ خوں ریز ہے ساقی
وہی پرینِ بیاہری وہی ناکمی دل کی
علاج اس کا وہی آبِ نشاطِ انگیز ہے ساقی

۲۶
 حرم کے دل میں سوزِ آرزو پیدا نہیں ہوتا
 کہ پیدائی ترمی اب تک حجابِ سیر ہے ساقی
 نہ اٹھا پھر کوئی رومی مجھ کے لالہ اروس سے
 وہی اب کل ایران وہی سیر ہے ساقی
 نہیں ہے نا اُمیدِ قبائل اپنی کشتِ ویراں سے
 ذرا دم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی
 فقیرِ راہ کو بخشے لئے اسرارِ سلطانی
 بہا میری نوالی دولتِ یوز ہے ساقی



لا پھر اک بار وہی بادہ و جام اے ساقی
 ہاتھ آجاتے مجھے میرا مقام اے ساقی
 تین سو سال سے ہیں ہند لے میخانے بند
 اسباب سے ترا فیض ہو جام اے ساقی
 مری سینے غزل میں تھی اسی باقی
 شیخ کہتا ہے کہ ہے یہ بھی حرام اے ساقی
 شیر مردوں سے ہوا بیشہ تحقیق تھی
 رہ گئے صوفی و ملاکے غلام اے ساقی
 عشق کی تیغِ جگر اڑا لی کس نے
 علم کے ہاتھ میں خالی ہے نیام اے ساقی
 سینہ روشن ہو تو ہے مرنجنِ عینِ حیا
 ہونہ روشن تو سخنِ مرگِ دوام اے ساقی
 تو مری ات کو ہتا ہے محروم نہ رکھ
 ترے پیانے میں ہے ماہِ تمام اے ساقی!



مٹا دیا مرے ساقی نے عالم من تو
 نہ مے نہ شعر نہ ساقی نہ شور چنگ و رباب
 کداتے مے کدہ کی شان بے نیازی و کج
 مرا سب جو غنیمت ہے اس نے مانے میں
 میں تو نیاز ہوں مجھ سے حجاب ہی اولی
 اگرچہ بھری موجوں میں ہے مقام اس کا
 جمیل تر ہیں دل و لالہ فیض سے اس کے
 پلا کے مجھ کو مے لالہ الہ الا ھو
 سکوت کوہ ولسجے و لالہ خود روا
 پہنچ کے چشمہ حیاں یہ توڑتا ہے سبوا
 کہ خافتا ہیں خالی ہیں صفیوں کے کدو
 کہ دل سے بڑھ کے ہے میری نگاہ بے قابو
 صفائے پاک طینت سے ہے گھر کا ضبو
 نگاہ شاعر نکھیں تو امیں ہے جادو



متاع بے بہا ہے درد سوز آرزو مند کی
 ترے آواز بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
 حجاب کسیر ہے آواز کوئے محبت کو
 مقام بند کی دے نہ لوں شاہ خداوندی
 یہاں مرنے کی پابندی ہاں جینے کی پابندی
 برمی آتش کو بھڑکتا ہے تیرے یہ پیوندی

۲۹
 کز اوقات کر لیتا ہے کوہِ بیاہاں میں
 کہ شاہیں کے لیے فالت ہے کارشیاں بند
 فیضیاں نظر تھایا کہ لب کی کمر استھتی
 بکھلتے کس نے اسمعیل کو ادابِ فرزند
 زیارت گاہِ اہلِ عزم و ہمت ہے لحدِ میری
 کہ خالِ راہ کو میں نے بت یا رازِ الوند
 مری شیطانی کی لیا ضرورتِ حُسنِ جو
 کہ فطرتِ خود بخود کرتی ہے لالے کی جانبی



تجھے یاد کیا نہیں ہے مے ل کا وہ زمانہ
 وہ ادوب کہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ
 یہ بتاں عصرِ حاضر کہ بنے ہیں رُسے میں
 نہ ادائے کافرانہ، نہ تراشیں آزارانہ
 نہیں اس کھلی فضا میں کوئی گوشہٴ غمت
 یہ جہاں عجب جہاں ہے نہ نقص نہ آشیانہ
 رُک تالِ منتظر ہے تری بارشِ کم کی
 کہ عجم کے مے کدوں میں نہ رہی مے معنائے
 مرے ہم صغیر اسے بھی اثرِ بہار سمجھے
 انھیں کیا خبر کہ کیل ہے یہ نوائے عاشقانہ
 مرے خالِ دُخوں کے ٹونے یہ جہاں کجا پیدا
 تری بند پڑی سرے دن کز رہے ہیں
 جہلہ شہید کیا ہے تب تابِ جاودانہ
 نہ طمہ ہے دستوں کا نہ شکایتِ زمانہ





ضمیرِ لالہ مے لعل سے ہوا بسیر
 اشارہ پاتے ہی صوفی نے توڑ دی پرچیز
 بچھائی ہے جو کہیں عشق نے بساط اپنی
 لیا ہے اس نے فقیروں کو وارثِ پرویز
 پرانے ہیں یہ ستارے فلک بھی فرسودہ
 جہاں وہ چلے یہ مجھ کو لہو ابھی نوخیز
 کسے خبر ہے کہ سنگارِ نشوونما کیا
 ترمی نگاہ کی گردش ہے میری شخیز
 نہ چھین لذتِ اسحٰب کہی مجھے
 نہ لڑکھ سے تغافل کو التفاتِ امیر
 دل غمیں کے موافق نہیں ہوسم کل
 صدائے مرغِ چین ہے بہت نشاطِ گھمیز
 حدیثِ بے خبراں ہے تو بازمانہ بسا
 زمانہ باتوں ساز و تو بازمانہ ستیز



وہی میری کم نصیبی وہی میری بے نیازی
 مے کام لچھ نہ آیا کیسا ل نے نوازی
 میں کہاں چوں تو کہاں یہ کہاں کہ لامکاں ہے
 یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ ترمی کرشمہ ساز
 اسی کشمکش میں لڑیں مری زندگی کی اتیں
 کبھی غمِ سوز ساز و مری بھی پہنچ تا آبِ آبی

وہ فریب و شاپس کہ پلا ہو لکڑیوں میں
 اُسے کیا خبر کہ کیا ہے وہ رسم شاپس
 نہ زبان کی غزل کی نہ زبان کے باخبر میں
 کوئی دلکش صدا ہو، جیسی ہو یا کہ تازی
 نہ فیضِ سرِ سلطنت میں خوشی امتیاز آیا
 یہ سپہ کی تیغ بازی وہ کچھ کی تیغ بازی
 کوئی کارواں ٹوٹا کوئی بدکار سرم
 کہ اسے کارواں میں نہیں خوشی دل نوازی



اپنی جولاں کاہ زیرِ آسمان سمجھا تھا میں
 اب گل کے کھیل کو اپنا جہاں سمجھا تھا میں
 بے حجابی سے تری ٹوٹا نگاہوں کا طمس
 اک روانے نیلگوں کو آسمان سمجھا تھا میں
 کارواں تھک کر فضا کے پیچ و نسیم میں لیا
 مہر ماہ و شتری کو ہم عنان سمجھا تھا میں
 عشق کی اک جست کے طے کر دیا قصہ تمام
 اس زمین آسمان کے لہراں سمجھا تھا میں
 کہ تیسرا از محبت پردہ دار پہلے شوق
 تھی فغان وہ بھی جسے ضبطِ فغان سمجھا تھا میں

تھی کسی در ماندہ ہر کی صدائے در و نال
 جس کو آوازِ حسیل کارواں سمجھا تھا میں



اک دہشِ نورانی اک دہشِ بُرہانی
 اس پیکرِ خالی میں اک شے ہے سو وہیری
 اب کیا جو فغاں سری پہنچی ہے ستاروں
 نقوشِ اکرِ باطل تکرار سے کیا حاصل
 مجھ کو تو سکھا دی ہے افروغی نے زندگی
 تقدیر شکن قوت باقی ہے ابھی اس میں
 تیرے بھی صنم خانے میرے بھی صنم خانے
 ہے دہشِ بُرہانی حیرت کی منہ رانی
 میرے لیے مشکل ہے اُس شے کی گہبانی
 تو نے ہی کھائی تھی مجھ کو غیزل خوانی
 کیا تجھ کو خوش آتی ہے اُم کی ایزدانی؟
 اس فوگے ملا ہیں کیوں گناہِ مسلمانی
 ناداں جسے کہتے ہیں تیرے کازِ زندانی
 دونوں کے صنم خالی دونوں کے صنم فانی



یارِ ابدِ جہان کُزراں خوب ہے لیکن
 گو اس کی خدائی میں مہاجن کا بھی ہے ہاتھ
 تو بربک گیا ہے ندی ایلِ حُورِ ا
 کیوں غم اریں مزانِ صفا کیش و پُہرِ مند
 دنیا تو سمجھتی ہے فرنگی کو حُند اند
 اوکشتِ گل و لالہ بختِ بدِ خرے چند

حاضر ہیں کلیسا میں کیا بٹ مے گلاب
 احکام تے حق ہیں مگر اپنے مفسر
 فروس جو تیرے کسی نے نہیں دیکھا
 مدت سے ہے آوارہ اندال مرا فکر
 فطرت نے مجھے بختے ہیں جو ہر ملکوتی
 درویش خدا مست نہ شرتی ہے غری
 کہتا ہوں یہی بات سمجھتا ہوں جسے حق
 اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بگائے بھی ناخوش
 مشکل ہے کہ ال بندہ حق ہیں حق آند
 ہوں آتش نرو کے شعلوں میں بھی خاموش
 پرسوز و نطنرباز و نکو بین و کم آزار
 ہر حال میں یہ رول ہے قید ہے محرم
 مسجد میں دھر لیا ہے بجز موعظہ و پسند
 تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں یا پسند
 افرنک کا ہر قریہ ہے فروس کی مانند
 کر دے اسے اب چاند کی غاروں میں نظر بند
 خالی ہوں مگر خاک سے رکھتا نہیں پیوند
 گھر میرا نہ ولی نہ صفا ہاں نہ سمرقند
 نے ابلہ مسجد ہوں نہ تہذیب کا فرزند
 میں نہ ہر ملائکہ کو کبھی کہہ نہ سکا قند
 خاشاک کے توڑے کو کہے کوہ و ماوند
 میں بندہ مومن ہوں نہیں انہ اسپند
 آزاد و گرفتار تو ہی کیسے خورسند
 کیا چھینے کا غنچے سے کوئی ذوق شکر خندا
 چپ نہ سکا حضرت یزواں میں بھی اقبال

کرنا کوئی اس بند گستاخ کا منہ بند

اعطفت لبید بر لکھنؤ نادر شاہ خاوری رفته نہ جلد کے نصف و کرم سے نور انجم و انجم ناز و نوازش
کے فراتے میں کائنات بے غیب برہنہ - یہ ضد نظر برہنہ ناچھو کلمہ رک کے ایک سحر قیودت و چہرہ و سحر کا کاف
ہر روز سید کی بات پر ہر پردہ غم کے آئے - ہمارے اپنے شاہکار و عطار بنیدم !

۱ ساسکتا ہر پناہ غفلت میں مرا کو دنا
غلط تھا ہے قبولنا ساید ترا اندازہ مہرا !
۲ خوری سے ہر غلیم رنگ و لہر کو تو دیکھتا ہوں
یہی تر قید تھی جلتی تر سجھاتا یہ میر سجھاتا !
۳ نکتہ ہر آغا فاک غلی غلیم غوریت ہے
کہ اپنی موج سے بگڑا رہ سکتا ہر دریا
۴ رتابت غم و عرفان میں با غلط بینی ہے ہر کی
کو وہ علاج کی کوئی کر بھی ہے رتبہ اپنا !
۵ یہی ہے زور دینا کہ ہر ذرات شہر ہے

۶ نکتہ تعلید آج ہر تل میرے جذبہ کی
تو آسان غریبوں کو ذکر و شیع و سوا ہے

۷ نکتہ محفل کو علی خاں کے قلم میں
۸ نکتہ جو کو کر کر کے شہر سے پہنچا
۹ نکتہ زارال پر ہے باقی نہ لودا یا رہے باقی
۱۰ نکتہ ہر قلم تھا جتنا ہلکے بغور کرے
۱۱ نکتہ شہر شہر شہر شہر شہر شہر
۱۲ نکتہ شہر شہر شہر شہر شہر شہر

۱۳ نکتہ کوئی ہر غم و رکتی ہر تر شہر
۱۴ نکتہ ہر دیکھتے ہر نیلے مشرق و مغرب کے نیچے
۱۵ نکتہ ہر اساتر ہر پیدہ رہا ہے ذوق ہے سجھاتا !
۱۶ نکتہ ہر کسک خرم ہے جو چہرہ کر بیچ کھاتا ہے
۱۷ نکتہ ہر بوز و دلق اور کچھ جاویر نہرا !
۱۸ نکتہ ہر قلم ہر کراہی نے ہر کی شکایت کی
۱۹ نکتہ ہر رشتہ سے بھلا قیامت نہ رہے ہر بابا !

حصہ دوم



اعلیٰ حضرت شہید المومنین بادشاہ غازی رحمۃ اللہ علیہ کے لطف کرم سے نومبر ۱۹۳۳ء
میں مصنف کو حکیم سنائی غزنوی کے مزارِ عتدس کی زیارت نصیب ہوئی۔ یہ چند افکار پریشاں
جن میں حکیم ہی کے ایک مشہور قصیدے کی پیروی کی گئی ہے، اس روز سعید کی یادگار میں
پُرستہ کیے گئے:

’ما از پے سنائی و عطار ایم‘

سماکتا نہیں پہناتے فطرت میں مراسوا
غلط مھتا اے جنوں شاید ترا اندازہ صحرا
خودی سے اس طلسمِ رنگ و بو کو توڑ سکتے ہیں
یہی توحید تھی جس کو نہ تو سمجھانہ میں سمجھا
نگہ پیدا کر اے غافل تجلی عینِ فطرت ہے
کہ اپنی موج سے بیگانہ رہ سکتا نہیں دریا

رقابت علم و فنس میں غلط بینی ہے سبر کی
 کہ وہ حلاج کی سولی کو سمجھا ہے رقیب اپنا
 خدا کے پاک بندوں کو حکومت میں غلامی میں
 زہرہ کوئی الرحمن غوطہ رھتی ہے تو استغنا
 نہ کر تفتلید ابے جبریل میرے جذب و مستی کی
 تن آساں عرشوں کو ذکر و تسبیح و طواف اولیٰ



بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے منخانے
 یہاں ساتی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
 نہ ایراں میں ہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
 وہ بندے فقر تھا جن کا ہلال قصیر کسری
 یہی شیخ حرم ہے جو پدر الکریم لکھاتا ہے
 گلیم بوز و ولق اویس و چادر زہرا
 حضور حق میں اسرافیل نے میری شکایت کی
 یہ بندہ وقت سے پہلے قیامت کر نہ دے بڑا

ندا آتی کہ اشوب قیامت سے یہ کیا کم ہے
 گرفتہ چنیاں احرام و مٹی خفستہ و رختہ !
 لبالب شیشہ تہذیب حاضر ہے مئے لا سے
 گمر ساقی کے ہاتھوں میں نہیں مپیانہ الا
 و بار کھٹا ہے اس کو زخمہ ور کی تیز دوستی نے
 بہت نیچے سُروں میں ہے ابھی یورپ کا واولا
 اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
 ٹہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا



غلامی کیا ہے ذوقِ حسنِ زیبائی سے محرومی
 جسے زیب اکھیں آزاد بندے ہے وہی زیبا
 بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
 کہ دنیا میں فقط مروانِ حُسر کی آنکھ ہے مینا

وہی ہے صاحبِ امروز جس نے اپنی ہمت سے
 زلمے کے سمندر سے نکالا لوہرِ سردا
 فرنگی شیشہ لڑکے فن سے پتھر ہو گئے پانی
 مری اسی نے شیشے کو بخشی سختی حصار
 رہے ہیں اور ہیں سخنِ میری لحاتِ میرا تک
 مگر کیا غم کہ میری استیں میں ہے بدبھیا
 وہ چنگاری خس و خاشاک کے کس طرح دھجے
 جسے حق نے کیا ہونیساں کے واسطے پیدا
 محبتِ خوشتنِ مہنی، محبتِ خوشتنِ داری
 محبتِ استانِ قصید و کسرِ می سے بے پروا
 عجب کیا لڑمہ و پروں کے پنجہ ہو جائیں
 کہ فیرتہ ال صاحب دوتے بستم سرخوڑا

• یہ مصرع مرزا صاحب کا ہے جس میں صرف ایک لفظی تغیر کیا گیا

وہ دانستے سبیل ختم الرسل، مولائے کل جس نے
 غبارِ راہ کو بخشتا فرغِ وادیِ سینا
 نگاہِ عشقِ ہستی میں وہی ازل وہی آخر
 وہی شران وہی شرفان وہی سین وہی طہ
 تسناتی کے ادب سے میں نے غواصی کی ورنہ
 ابھی اس بحر میں باقی ہیں لاکھوں لولوئے لالا



یہ کون غزل خواں ہے پر سوز و نشاطِ گھیز	اندیشہ دانا کو کرتا ہے چُبنوں آسیر
گوفتہ بھی رکھتا ہے اندازِ ملوکانہ	ناچنچتہ ہے پر پریزی بے سلطنتِ پریر
اُجھبہ قِصوفی میں وہ فقر نہیں بتا	خونِ دل شیران جو فقر کی دستاویز
اچھے سلفہ درویشانِ مہرِ خدا کیسا	جو جس کے گریباں میں ہنگامہ رستاخیز
جو ذکر کی گرمی سے شعلے کی طرح روشن	جو فکر کی سرعت میں بجلی سے یاد تیز
کرتی ہے ملوکیت آثارِ چُبنوں سدا	اللہ کے نشتر ہیں تیمور ہو یا چنگیز

یوں اوسخن مجھ کو دیتے ہیں لاق پائس
یہ کافر ہندی ہے بے تیغ و سنان خونین



وہ حرفِ از کہ مجھ کو سلکھا لیا ہے جنوں
ستارہ کیا مری تقدیر کی خبر دے گا
حیات کیا ہے خیالِ نظر کی مجذوبی
عجب مزا ہے مجھے لذتِ خودی دے کر
ضمیرِ مال و نگاہِ بند دوستی شوق
سبقِ ملا ہے یہ معراجِ مصطفیٰ سے مجھے
یہ کائنات ابھی نامِ تمام ہے شاید
علاجِ آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
خدا مجھے نفسِ جبریل دے تو اہوں
وہ خود فراخیِ افلاک میں ہے خوار و زبوں
خودی کی موت ہے اندیشہ ہائے کونالوں
وہ چاہتے ہیں کہ میں اپنے آپ میں رہوں
نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطوں
کہ عالمِ بشریت کی زو میں ہے مسمووں
کہ ارسپی ہے مادمِ صدائے کن فیکووں
تری خروپے ہے غالبِ سرنگیوں کافوں

اُسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اُسی کے فیض سے میرے لبوں میں ہے جھول



عالم آب و خال و باد و استریاں ہے تُو کہ میں
 وہ جو نظر سے ہے نہاں اُس کا جہاں ہے تُو کہ میں
 وہ شب و روز و غم کہتے ہیں زندگی جسے
 اُس کی سحر ہے تُو کہ میں اُس کی آواں ہے تُو کہ میں
 کس کی نمود کے لیے شام و سحر ہیں کریم
 شانہ روزگار پر بارگراں ہے تُو کہ میں
 تُو کفِ نال و بے بصر، میں کفِ نال و خود نل
 کشت و جو کے لیے آب و آں ہے تُو کہ میں



(لندن میں لکھے گئے)

تُو ابھی رہ کر میں ہے قیدِ معتام سے لزر
 مصروحباز سے لزر، پارس و شام سے لزر

جس کا عمل ہے بے غرض اُس کی جزا کچھ اور ہے
 حورِ خیام سے لوز، بادہ و جام سے لوز
 گرچہ ہے دلشاد بہت حُسنِ فرنگ کی ہر بار
 طائرِ بلند بالِ دانہ و دام سے لوز
 کوہِ شکافِ تیری ضربِ تجھ سے لُٹا دِ شرق و غرب
 تیغِ ہلال کی طرح عیشِ نیام سے لوز
 تیرا امام ہے حضورِ تیری نماز ہے سرور
 ایسی نماز سے لوز، ایسے امام سے لوز!



امینِ ازل ہے مزانِ حُر کی درویشی	کہ جبریل سے ہے سونستِ خدیشی
کسے خبر کہ سفینے ڈبو چکی کتنے	فقیرِ صوفی و شاعر کی ناخوش اندیشی
نگاہِ لرم کہ شیریں جسے جوشِ اُرجائیں	نہ اُسے کہ ہے کو سفندی و میشی
طیبِ عشق نے دیکھا مجھے تو فرمایا	ترا مرض ہے فقط آرزو کی بے نیشتی

۲۳
وہ شے کچھ اور ہے کہتے ہیں جانِ پاک جسے
یہ نم و نم یہ لہو آبِ ناس کی ہے بیش



پھر چراغِ لال سے روشن ہوتے کوہ و دامن	مجھ کو پھر غموں پہ اکسائی لگا مرغِ چین
پھول ہیں صحرا میں یا پر پاؤں قطارِ اندِ قضا	اُورے اُورے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرِ سن
برلِ گل پر لکھ لکھی شبِ نیم کا سوتی با صبح	اور چمکاتی ہے اس موتی کو سوج کی کرن
حُسنِ بے پروا کو اپنی بے نقاب کی لیے	جوں لڑ شہر وں کے سارے تو شہر اچھے کہ بن
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سرِ غِ زندگی	تو الر میر انہیں بنانا نہ بن اپنا تو بن
من کی دنیا! من کی دنیا سو مستی جذب و شوق	تن کی دنیا! تن کی دنیا سود و سودِ امل و فتن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو بھرتی نہیں	تن کی دولت چھاؤں کے آتے دھن جاتا دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں افرنگی کا راج	من کی دنیا میں نہ دیکھے میں شیخ و برہن

پانی پانی لڑ لڑتی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غم کے آگے نہ من تیرا نہ تن



(کابل میں لکھے گئے)

مسلمان کے لہو میں ہے سلیقہ دل نوازی کا
مروتِ حسنِ عالم گیر ہے مروانِ غازی کا
شکایت ہے مجھے یاربِ خداوندِ مہکتے سے
سبقِ شاہینِ بچوں کو دے رہے ہیں خاکی بازی کا
بہت مدت کے پنچیروں کا اندازِ نغمہ بدلا
کہ میں نے فاش کر ڈالا طریقہ ہبازی کا
قلندرِ جزوِ حرفِ لا الہ لکھ بھی نہیں لھتا
فقیہِ شہرِ قاروں ہے لغتِ ہائے حجازی کا
حدیثِ بادہ و سینا و جامِ آتی نہیں مجھ کو
نہ کر خارا شکافوں سے تقاضا شیشہ سازی کا

کہاں کے تونے اے اقبالِ سبھی کے دیروشی
کہ چرچا پاؤں شاہوں میں تیری بنیازی کا



عشق سے پیدا نوائے زندگی میں زُرم
عشق سے مٹی کی تصویروں میں عزومِ زم
اومی کے ریشے ریشے میں سما جاتا ہے عشق
شلخِ گل میں طبعِ سحرِ باوجودِ فکرِ کلام
اپنے رازِ کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اوپر پہچانے تو ہیں تیرے کلدادِ اوجسم

دل کی ازاد می شناسا ہی شکم سامان ہو
فصلہ تیرے ہاتھوں میں دل یا شکم !
اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ ملکہ نہ پوچھ
ہو لیا اشد بندوں سے عین خالی صرم



دل سوئے خالی ہے بند پاک نہیں ہے
پھر اس میں عجب کیا کہ تو بے بال نہیں ہے
بے وقت تجلی بھی اسی خال میں نہی ہے
عافل! تو نرا صاحب اور ال نہیں ہے
وہ آنکھ کہ ہے سہرا فرنگے روشن
پُرکار و سخن ساز ہے نم نال نہیں ہے
کیا صوفی و ملا کو خبر میرے بجنوں کی
اُن کا سدا من بھی ابھی چال نہیں ہے
کت تک رہے محکومی اس بزم میں خال
یائیں نہیں یا کر و شر افلاک نہیں ہے
بجلی یوں نطفہ فرہ بیاباں ہے میری
میسے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے
عالم ہے فقط مومن جاں باز کی سیرا
سوسن نہیں جو صاحب لولال نہیں ہے!



ہزار خوف جو لیکن زبان جو دل کی مسیق
یہی ہے ازل سے قلندر کا طریق

ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
 علاج ضعفیت میں ان سے نہیں سکتا
 مریدِ یادہ تو روکے ہو گیا تائب
 اُسی طلسمِ لہن میں اس کے آدھم
 مرے لیے تو ہے تہِ رازِ بالساں بھیست
 اگر ہو عشق تو کئے کفن بھی سلمانی
 فقط یہ بات کہ پیرِ ساسِ مروتِ حلیق
 غریب اگرچہ ہیں رازی کے نکلتے ہاتھ و قیق
 خدا کے لئے شیعہ کو بھی تو منسین
 بغل میں اس کی ہر بات مانتا عتیق
 ہزار شکر کہ ملا ہیں صاحبِ صدیق
 نہ ہو تو مردِ سماں بھی کاف و زندق



نوچہ پاس کے کہ مقبول ہے فطرت کی کوئی
 کاف ہے مسلمان تو یثا بنی فقیری
 کاف ہے توش شیریں کرتا ہے بھروسا
 کاف ہے تو ہے تابعِ تہدِ مسلمان
 تو صاحبِ نزل ہے کہ بھٹکا ہوا ہے
 مومن ہے تو کہتا ہے فقیر ہی میں شہاسی
 مومن ہے تو تیرے بیخ بھی لڑتا ہے سپاہی
 مومن ہے تو وہ آپ کے تعفیرِ الہی
 میں نے تو کیا پردہ اسرار کو بھی چاک
 دیرینہ ہے یہ راضی کو رنگا ہی



(قُطْب میں لکھے گئے)

یہ حوریانِ من گزنی دل و نظر کا حجاب	بہشتِ مغربیاں جلوہ ہا پاک یہ کباب
دل و جنس کا سفینہ سنبھال کر لے جا	مڑ ستارہ ہیں محسوس جو میں صواب
جہاں صوت و صدا میں سمانہیں سکتی	لطیفہ ازل ہے فغانِ چنک و رباب
سکھائیے ہیں اسے شیوہ ہائے خالقہ	فقیہ شہر کو صوفی نے کر دیا ہے خراب
وہ سجدہٴ روح زمین جس کا پچھاتی تھی	اُسی کو آج ترستے ہیں منبرِ محراب
سُنی نہ مصر و فلسطین میں اُواں میں نے	دیا تھا جس نے پہاڑوں کو عرشہٴ سیاب
ہوائے قُطْبہ شاید یہ ہے اثرِ تیرا	مری نوامیس کے سوز و سرورِ عہدِ شہاب



دلِ بیدار فاروقی، دلِ بیدار لزاری	میر آدم کے حق میں کیسیا ہے دل کی بیداری
دلِ بیدار پیدا کر لے دلِ غائب ہے جب تک	نہ تیر چھی ہے کارئی نہ میر چھی ہے کارئی

مشاہد میرے ملتے صحرائیں شاہ اس کا
 اس اندیشے سے ضبط اس میں کہ تار پوں کتب
 خداوند تیرے سا دل بس کہ ہر جا ہیں
 مجھے تہذیب حاضر نے عطا کی ہے آزادی
 کہ غلامی میں تو آزادی ہے باطن میں گرفتاری
 کہ درویشی بھی عیسائی ہے سلطان بھی عیساری
 کہ مرغ زاد نے لے جائیں تیری قسمت کی چکاری

تو لے مولائے شرب آب پیری چاہ سائی
 مری اس کے افروغی مرا ایک کے زنجاری



خودی کی شوخی تندی میں کہ برنا نہیں
 نگاہ عشق دل زندہ کی تلاش میں ہے
 مری نوا میں نہیں ہے واسے محبوبی
 سوال مے نہ کروں ساقی فرنا کے میں
 جوئی نہ عام جہاں میں کبھی حکومت عشق
 اک خاطر اس سلسل غیاب ہو کہ حضور
 جو ناز ہو بھی تو بے لذت نیاز نہیں
 شکار مردہ سزاوارش امبار نہیں
 کہ بانگ صورتِ افسیل دل نواز نہیں
 کہ طبع رقیقہ زندانِ پال باز نہیں
 سبب یہ ہے کہ محبت زمانہ ساز نہیں
 میں خود لہوں تو مری استاں دراز نہیں

اگر ہوا ذوق تو خلوت میں پڑھو زبور عجم
فغانِ نسیم شبیں بے نوائے آرزو نہیں



میر سپاہِ ناسزا بشکریاں شکستہ تصف	آہِ اودۂ نسیم شبیں بکلی نہ ہو کوئی ہدف
تیرے محسوس میں کہیں ہر زندگی نہیں	ڈھونچکا میں موجِ موجِ دیکھ چکا صد
عشقِ بتاں سے ہاتھ اٹھا اپنی خودی میں ڈوبا	نقشِ نگار ویر میں جو جگر نہ کر تلف
کھول کے کیا بیاں لڑوں سہرِ تمامِ رملِ عشق	عشقِ مکرلِ با شرفِ مکرلِ حیاتِ شرف
صحبتِ پیروم سے مجھ پر ہوا یہ از فاش	لاکھ حکیم نہ بھیتِ ایک کلیمِ سہرِ جف
مثلِ کلیم ہو اگر معرکہ لڑنا کوئی	اب بھی رختِ طوس سے اتنی سے بانہاں لا
خیر نہ کر سکا مجھے جلوہ دارِ شرفِ فرزند	سرسے میری آنکھ کا حالِ بدینہ و



(یورپ میں لکھے گئے)

زمستانی ہوا میں کرچہ تھی ششیر کی تیری
نچھوٹے مجھے لندن میں بھی آواں سب خیر ہی

۵۰
 کہیں سزا نہ محفل تھی میری کرم گفتاری
 کہیں سب کو پریشان کر گئی میری کلم امیری
 زمام کارِ الرمز دور کے ہاتھوں میں ہو پھر لیا
 طریقِ کوہن میں بھی ہی جیسے ہیں پروری
 جلالِ پادشاهی جو کہ جمہوری تماشا ہو
 جدیہوں سیاست تو رہ جاتی ہے چنکیزی
 سوادِ رومۃ الکبر میں ولی یاوتی ہے
 وہی عبرت ہی عطلت ہی شانِ آلِ دیزی



یہ دیر کھن کیا ہے انبارِ خس و خاشاک
 مشکل ہے لہذا اس میں بے مالہ آشناک
 نچیرِ محبت کا قصہ نہیں طعنی
 لطفِ خاشاکِ سچاں اسوہِ الفتِ اک
 کھویا کیا جو مصلحتِ دوست و دولت میں
 سمجھے نہ موجبِ تکلف نہ ہو دراک
 اک شریعِ مسلمانی اک جذبِ مسلمانی
 ہے جذبِ مسلمانی سہرِ فلکِ الافلاک
 اے ہر و منہ نہ اے بے جذبِ مسلمانی
 نے راہِ عمل پیدا نے شاخِ یقینِ نمِ مال
 رمزیں میں محبت کی گستاخی بے باکی
 ہر شوقِ نہیں ستاخِ ہر جذبِ نہیں بے باک

فارغ تو نہ بیٹھے کا محشرِ حسینوں میرا
 یا اپنا لریبِ حال یا دہنِ زیواں حال!



کمال ترک نہیں آگے کل مجبوری
 میں ایسے فقیر کے اے اہل حلقہ باز آیا
 کمال ترک ہے تسخیر کی و نوری
 نہ فقیر کے لیے موزوں نہ سلطنت کے لیے
 تھرا افتخار ہے بے دلتی و رنجوری
 سُنے نہ سائی مہوش تو او بھلا چھا
 وہ قوم جس نے کنواہ استماع سمیوری
 حکیم و عارف و صوفی تمام مست ظہور
 عیار لرزی صحت ہے حرمتِ مذہبی
 وہ ملتفت ہیں تو کُلجِ قفس بھی ازادی
 کسے خبر کہ تجلی ہے عینِ ستوری
 بُرانہ مانِ ذرا ازما کے دیکھ اے



عقل کو آستان سے دُور نہیں
 دل بینا بھی کر خدا سے طلب
 اس کی تفتدیر میں حضور نہیں
 علم میں بھی سرور ہے لیکن
 آنکھ کا نور دل کا نور نہیں
 یہ وہ جنت ہے جس میں حور نہیں

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
 اک جنوں ہے کہ باشعور بھی ہے
 ناہم سبوری ہے زندگی دل کی
 بے حضور می ہے تیری موت کا راز
 پر لہرنے صدف کو توڑ دیا
 'اُرنی' میں بھی کہہ رہا ہوں ملکہ
 ایک بھی صاحب سُرور نہیں
 اک جنوں ہے کہ باشعور نہیں
 آہ وہ دل کہ ناہم سبور نہیں
 زندہ ہو تو تو بے حضور نہیں
 تو پی آمادۂ طور نہیں
 یہ حدیثِ کلیم و طور نہیں



خودی وہ بھر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں
 طلسمِ کیم بدلہ دے کو توڑ سکتے ہیں
 خودی میں ڈوبتے ہیں پھر اُچھڑ بھی آتے ہیں
 ترسے تمام کو نجمِ شناس کیا جانے
 یہین ہشت بھی ہے خورِ جبریل بھی ہے
 مرے جنوں نے زمانے کو خوب چھپانا
 تو اب جو اسے سمجھ کر تو چارہ نہیں
 زجاج کی یہ عمارتِ سنگِ خارہ نہیں
 ملکہ یہ چھوٹا مردِ سیچ کا رہ نہیں
 کہ خاکِ زندہ ہے تو تابِ ستارہ نہیں
 ترمی نگہ میں ابھی شوخیِ نطفہ رہ نہیں
 وہ سپہنِ مجھے بخشا کہ پارہ پارہ نہیں

۵۲
 غضب عینِ کرمِ نخیل سے فطرت
 کہ لعلِ نابِ آتش تو ہے شرارِ نہیں



یہ پیام دے لیتی ہے مجھے بادِ بکوحا ہی	کہ خودی کے عافوں کا ہے مہمِ پاؤں شاہی
ترمیِ ندلی اسی سے تریِ ابرو اسی سے	جو رنجِ دی تو شاہی نہ رہی تو رویا ہی
نہ دیا نشانِ نزل مجھے حکیمِ تونے	مجھے کیا کلمہ ہو تجھے تونے نہ رہشیں راہی
مرے حلقہ سے سخن میں ابھی تر بیت ہیں	وہ کلام جانتے ہیں وہ رسمِ کجکلاہی
یہ معلوم ہیں نازل جو تری ضربِ ہوتو	کہ مجھے تو خوش نہ آیا یہ طریقِ خانقاہی
تو ہما کا ہے شکاری ابھی بتلا ہے تیری	نہیں صلیحتِ خالی یہ جہانِ مرغِ واپاہی
تو عربی یا عجم ہو ترا لا الہ الا	لغبتِ عربِ جب تک ترا دل نہ دے جوہی



ترمی نگاہِ فرمایہ ہاتھ ہے کو تاہ	ترا کُن کہ نہ نخیلِ بلند کا ہے گناہ
گلا تو کھنٹ دیا اہلِ دے ترا	کہاں سے آئے صدا لا الہ الا اللہ

خودی میں کلم بنے خدائی تلاش کر غافل !
 حدیثِ دل کسی روشن کلیہ سے چھپ
 برہنہ سے تو عنہم بلند پیرا
 نہ ہے ستارے کی روشنی بازمی افلاک
 یہی ہے تیرے لیے اصلاح کار کی ا
 خدا کے تجھے تیرے مقام سے آگاہ
 یہاں فقط شاہد ہیں واسطے عطا
 خودی کی موت کے تیرا زوال نعمت جا
 نہ زندگی نہ محبت نہ منفعت نہ نفاذ



خوف کے پس خیر کے سوالچھ اور نہیں
 ہر امت کام سے آگے مقام ہے تیرا
 کران ہمارے تو حق خودی سے ہے نہ
 رکوں میں گردشِ خوں سے اگر تو کیا حاصل
 ترا اصلاحِ نطق کے سوالچھ اور نہیں
 حیاتِ فوقِ فک کے سوالچھ اور نہیں
 گہر میں آبِ لب کے سوالچھ اور نہیں
 حیاتِ بزرگوار کے سوالچھ اور نہیں
 عروسِ لالہ مناسب نہیں مجھ سے حجاب
 جسے کس کو سمجھتے ہیں جب افریقہ
 بڑا الیم ہے قبیل بے نو لیکن
 وہ شے متاعِ منہ کے سوالچھ اور نہیں
 عطائے شعلہ شکر کے سوالچھ اور نہیں



نگاہِ تیرے پیشِ بکند می کیا ہے
 بتوں سے تجھ کو امیدیں خدا سے نومیدی
 فلک نے اُن کو عطا کی ہے جہاں کہ چھیں
 فقط نگاہ سے ہوتا ہے فیصلہ دل کا
 اس خط سے عتابِ ملوک ہے مجھ پر
 کسے نہیں تیرے لئے سرورِ دلین
 خوش آگئی ہے جہاں کو قلندری میری
 خراج کی جو لدا چو وہ قصہ میری کیا ہے
 مجھے بت تو سہی اور کان میری کیا ہے
 خنجر میں ریش بند پروری کیا ہے
 نہ ہونگاہ میں شوخی تو لب میری کیا ہے
 کہ جانتا ہوں مالِ کسند میری کیا ہے
 خودی کی موت ہو جس میں سرور میری کیا ہے
 دگر نہ شعر مرالیا ہے شاعری کیا ہے



نہ تو زمیں کے لیے نہ آسمان کے لیے
 عیقلِ دل میں شعلہِ محبت کے
 مقامِ پرورشِ آہ و نالہ ہے یہ سپن
 جہاں سے تیرے لیے تو نہیں جہاں کے لیے
 وہ خار و جس کے لیے ہے نیستاں کے لیے
 نہ سیرِ گل کے لیے ہے نہ اشیاں کے لیے

ہے گاراومی وکیل و فرات میں کتب
 ترسفیہ نہ کہ ہے بحر بے کراں کے لیے
 نشانِ راہ دکھاتے تھے جہتداروں کو
 ترس گئے ہیں کسی مڑ راہ اس کے لیے
 نگوہ بست سخن دل نواز جاں پر سوز
 یہی ہے رختِ سفر میر کا و اس کے لیے
 ذرا سی بات تھی اندیشہ عجم نے اسے
 بڑھایا ہے فقط زینِ ہستیاں کے لیے
 مرے جلو میں ہے آلِ نغمہ جبریلِ آشوب
 سنبھال کر جسے دکھائے لامکاں کے لیے



تو اے اسیرِ مکان! لامکاں کو دور نہیں
 وہ جلوہ کاہ ترے خالِ واس کو دور نہیں
 وہ مرغزار کہ بنیم سزاں نہیں جس میں
 غمیں نہ چو کہ ترے اشیاں کو دور نہیں
 یہ ہے حلاوتِ علمِ قلمِ مدحی حیات
 خدائے جنت ہے لکین کیاں کو دور نہیں
 فصاحتِ مری مڑ پر میں سے ہے ذرا آگے
 قدم اٹھائیعتِ امِ اسماں کو دور نہیں
 کہے نہ اہٹ سے کہ چھوٹے مجھ کو
 یہ بات اہر و نکلتے واس سے دور نہیں



(یورپ میں لکھے گئے)

حسرت نے مجھ کو عطا کی نظرِ حلیمانہ
 بسکھائی عشق نے مجھ کو حدیثِ رندانہ
 نہ بادوئے نہ صُراحی نہ دورِ پیا
 فقط نکات سے نکلیں ہے بزمِ جانانہ
 مری نواتے پریشاں کو شاعری سمجھ
 کہ میں جوں محرم از دُورِ مبین
 کلی کو دیکھ کہ ہے تشنہ نسیمِ سر
 اسی میں ہے مریے دل کا تمام افسانہ
 کوئی بتاتے مجھے یہ غیب ہے کہ حضور
 سب شاپیں یہاں ایک میں جوں بیگانہ
 فرنگ میں کوئی دن اور بھی ٹھہر جاؤں
 مجھے جس بنوں کو سنبھلے الریہِ برانہ
 مقامِ عقل سے اس کی لڑ لیا اقبال
 مقامِ شوق میں کھویا لیا دوفرزانہ



افلاک سے آتا ہے مالوں کا جوابِ آخر
 کرتے ہیں خطابِ آخر اٹھتے ہیں حجابِ آخر

احوال محبت میں کچھ فرق نہیں لیا
میں تجھ کو بتاتا چوں تقدیر اُمم لیا ہے
میں خانہ یورپ کے دستور نرا لے ہیں
کیا دبدبہ نادر کیا شوکت تیموری
خلوت کی لکھڑی لکھڑی خلوت کی لکھڑی
نوٹ و کتاب اول نوٹ و کتاب آخر
شمس و سناں اول طاق و رباب آخر
لاتے ہیں سرور اول دیتے ہیں شراب آخر
ہو جاتے ہیں سب دفتر غرق مے ناب آخر
چھٹنے کو ہے جہلی سے غوش سحاب آخر

تھا ضبط بہت مشکل اس میں معافی کا
کہ وہ قلندر نے اسرار کتاب آخر



ہر شے مسافر ہر چیز راہی
تو مرد میدان تو ملیش ہر
کچھ دست دراپنی تو نے نہ جانی
دنیا تے دلوں کی کب تک عنادی
چیرم کو دیکھا ہے میں نے
کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی
نور می حضور می یہ کس سپاہی
یہ بے سود امی یہ کم نکاہی
یار اہم سہی کمر یا پادشاہی
کردار بے سوز، لفشار و اہی



ہر چیز ہے موحودِ نباتی ہر ذرہ شہیدِ کبریاۓ
 بے ذوقِ نمودِ زندگی، موت تعمیرِ خودی میں ہے حُسنِ ذاتی
 رائی زورِ خودی سے پرست پرستِ ضعفِ خودی سے اتی
 تارے آوارہ و کم آئینہ تقدیرِ وجود ہے جُبدِ ذاتی
 یہ پھیلے پہر کا زور و چہرہ بے راز و نیازِ اشنائی
 تیری قسندیل ہے ترا دل تُو اچھے اپنی روشنائی
 اک تُو ہے کہ حق ہے اس جہاں میں باقی ہے نمودِ سیمائی
 ہیں عقدِ کُشتِ حیاتِ صحرا کم لہرِ گلہ برہنہ پائی



اعجاز ہے کسی کا یا کر وشنِ زبا تُو تھا ہے ایشیا میں سحرِ فرنگیانہ
 تعمیرِ ریاں سے میں نے یہ اڑ پایا اہلِ نوا کے حق میں بجلی ہے اشیانہ

یہ بندگی خدائی، وہ بندگی کدائی
 غافل نہ ہو خودی سے کہ اپنی پاسبانی
 اے لا الہ کے ارث باقی نہیں تجھیں
 تیری نگاہ سے دل سینوں میں کانپتے تھے
 یا بندہ خدا بن یا بندہ زمانہ
 شاید کسی حرم کا تو بھی ہے آستانہ
 کفایتِ لب نہ بلکہ وارفتا ہر آنہ
 لکھو یا کیا ہے یہ جذبِ قلندرانہ

رازِ حرم سے شاید قہرِ سالِ باخبر ہے
 ہیں اس کی لفت کو لے اندازِ محقرانہ



خرد مندوں کے کیا پوچھوں کہ میری ابتدا کیا ہے
 کہ میں اس کمر میں رہتا ہوں میری انتہا کیا ہے
 خودی کو کہ لب بند اتنا کہ ہرقتِ دیر سے پہلے
 خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری ضحا کیا ہے
 مقامِ لفت کو کیا ہے کہ میں کمبیا کرتا ہوں
 یہی سوزِ نفس ہے اور میری کمبیا کیا ہے

۶۱
 نظر آئیں مجھے تقدیر کی لہریاں اُس میں
 نہ پوچھ لے ہم شیں مجھ سے چشمِ سر نہ لیا ہے
 اگر ہوتا وہ مجذوبِ فرنی اس نے میں
 تو قبل اس کو سمجھتا مقامِ سرِ لیا ہے
 نوائے صبح کا ہی نے جس کو خوں کر دیا سیرا
 خدا یا جس خطا کی یہ سزا ہے وہ خطا لیا ہے



کھلتے ہیں غلاموں پر اسرارِ شہنشاہی	جب عشق سکھاتا ہے آوازِ گہ کاہی
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر کاہی	عطار ہو رومی ہو رازی ہو غزالی ہو
کلمہ کوشش تو ہیں لیکن بے وقوف نہیں یہی	نومید نہ ہو ان سے لے رہے ہر فرزانہ
جس رُوق سے آتی ہو پُرازمیں کو تاہی	اے طائرِ لاہوتی! اُس رُوق سے مت اچھی

✽ جبرنی کا مشہور مجذوبِ فلسفی نطشہ جو اپنے قلبی واروات کا صحیح اندازہ نہ کر سکا اور
 اس لیے اس کے فلسفیانہ افکار نے اسے غلط رستے پر ڈال دیا

دارا بکندر سے وہ مرفقہ اولیٰ
 آئین جو انمراں حق کوئی بے باکی
 ہو جس کی فقیری میں بوجے اسد لہی
 اللہ کے شیروں کو اتنی نہیں رو باہی



مجھے آؤ فغانِ نیم شب کا پھر پیام آیا
 ذرا تقدیر کی لہرائیوں میں ڈوب جا تو بھی
 یہ مصرع لکھ دیا کس شوخ نے محرابِ مسجد پر
 چل اے سیری غریبی کا تماشا دیکھنے والے
 دیا اقبال نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
 یہ اقبال کی میں جستجو کرتا رہا برسوں
 بڑی مدت کے بعد آخر وہ شاہینِ بزم آیا



نہ طغیانِ شتاقی تو میں رہتا نہیں قی
 کہ سیریِ ندکی کیا ہے یہی طغیانِ شتاقی

مجھے فطرت نے نوپے بے پیر مجبور کرتی ہے
 وہ آتش آج بھی شیریں چھوٹ نکلتی ہے
 نہ لڑکر ناک کا اندازہ اس کی تابانی سے
 دلوں میں لو لے لافاق گیری کے نہیں اُٹھتے
 خزاں میں بھی لے لے سکتا تھا میں صیاوی زوئی
 ابھی محفل میں ہے شاید کوئی دوستِ سابق
 طلبِ صبا تو نہ ہو یہ میری تو پھر کیا شکوہ تانی
 کہ بجلی کے چرغوں سے ہے اس جہر کی برائی
 نگاہوں میں اگر یہ اندہ ہو اندازِ افاق
 مری عمارت بھی شاخِ نشیمن کی الم اور اقی

اُلٹ جائیں کی تیریں لے جائیں کی تقدیر
 حقیقت ہے نہیں میرے تختیل کی یہ خلاقی



فطرت کو خود کے زور پر و کر
 تو اپنی خودی کو کھو چکا ہے
 تاروں کی فضا ہے بیکرانہ
 عرماں ہیں ترے چمن کی حوریں
 بے ذوق نہیں اگرچہ فطرت
 تسخیرِ ممتا ہم زبان و بو کر
 کھوئی ہوئی شے کی جستجو کر
 تو بھی یہ ممتا ام آرزو کر
 چالِ گل و لالہ کو رفو کر
 جو اس نے ہو سکا وہ تو لہر!



یہ پیرانِ کلیسا و حرم اے وائے مجبومی !
 صلہ ان کی لہو کاوش کھاسے سینوں کی بے زوی
 یقین پیدا کرانے ناوان یقین سے ہاتھ آتی ہے
 وہ درویشی کہ جس نے سامنے جھکتی ہے مغفوری
 کبھی حیرت کبھی ہستی کبھی آس و خیال
 بدلتے ہزاروں رنگ مسیروں اور مہجومی
 حد اور اسکے باہر ہیں باتیں عشق و مستی کی
 سمجھ میں اس قدر آیا کہ دل کی موت ہے دُوری
 وہ اپنے حسن کی مستی سے ہیں مجبور پیدائی
 مری آنکھوں کی بینائی میں ہیں اسبابِ توری
 کوئی تفتدیر کی منطق سمجھ سکتا نہیں نہ
 نہ تھے ترکانِ عثمانی سے کلم ترکانِ سیوسی

فقیرانِ رسم کے ہاتھ قہرِ الٰہی کیونکہ
سیٹھ سرِ سلطان کو نہیں شاہینِ کافوری



تازہ پھرِ دانشِ حاضر نے کیا سحرِ قدیم
کمز اس عہد میں ممکن نہیں بے چوبِ قدیم
عقلِ عیاں ہے سو بھیسِ بے لیتی ہے
عشقِ بے چارہ نہ ملا ہے نہ زاہد نہ حکیم
عیشِ منہزل ہے غریبانِ محبتِ حیرام
سب سفر ہیں بظاہرِ سفر آتے ہیں مقیم
ہے کراں سیرِ غمِ راحلہ و زاوے تو
کوہ و دریا سے کمز سکتے ہیں مانندِ نسیم
مردِ درویش کا سرمایہ ہے ازاد می و مرل
ہے کسی اور کی خاطرِ نصیبِ بزمِ رویم



ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے متحساں اور بھی ہیں
تھی زندگی سے نہیں فیضِ سائیں
یہاں سیلڑوں کا رواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم زنگِ بوبر
 چمن اور بھی اشیاں اور بھی ہیں
 اگر لکھو کیا ان شے میں تو کیا نسیم
 مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں
 تو شاہیں نے پرواز سے کام تیرا
 ترے سامنے آسمان اور بھی ہیں
 اسی روزِ شب میں الجھ کر نہ رہا
 کہ تیرے زمانِ مکاں اور بھی ہیں
 کئے دن کہ تنہا تھا میںِ سخنِ بسمِ میں
 یہاں آگے رازِ داں اور بھی ہیں



(فرانس میں لکھے گئے)

ڈھونڈ رہا ہے فرنگِ عیشِ جہاں کا دھوم
 دانتے متانتے خام و آتے متانتے خام
 حیرم نے لہا کس نے مری و دوا
 پُنجیتے تیرے فیغانِ اپنے اُسے ل میں تھام
 تھا ارنی کو طیسم میں ارنی کو نہیں
 اُس وقتِ ضار و اُمجھتِ ضام
 کرچے پافشائے از اہلِ نظر کی غفل
 پُپوسیں سکتا بھی شیوِ زندانِ عام
 حالتِ صوفی میں لڑے نم و بے عز و سنا
 میں بھی ہاشنہ کام تو بھی ہاشنہ کام

عشق تری آہ، عشق تری آہ
 تو بھی بھیجی تھی تمام میں بھی بھیجی تمام
 آہ کہ لکھو یا کیسے تجھے قیسم کا راز
 ورنہ ہے مالِ قیسمِ سلطنتِ روم و شام



خودی ہو علم محکم تو غیرتِ جبریل
 عذابِ دہشتِ حاضر ہے باخبر ہوں میں
 فریبِ خودِ منزل ہے کاروانِ ورنہ
 نظر نہیں تو مجھے سلفہ سخن میں بیٹھ
 مجھے دوسرے نکاح آج یاد آتے ہیں
 اندھیری شبِ جد اپنے قافلے سے ہوا تو
 اگر ہو عشق محکم تو صہورِ افسیل
 کہ میں اس آل میں لایا ہوں مثلِ نسیل
 زیادہ احسنِ منزل کے نشاۃِ حیل
 کہ نہ تھے ہائے خودی پہرِ شالِ تیغِ ایل
 کہاں حضو کی لذت، کہاں حجابِ لیل
 ترے لیے مرا شعلہِ نواہنِ یل

غریبِ سادہ زنجیں سے ہواستانِ حرم
 نہایت اس کی حسینِ ابتدا ہے اسعیل





مکتبوں میں کہیں عنائی افکار بھی ہے؟
خانقاہوں میں کہیں لذتِ اسرار بھی ہے؟
منزلِ راہِ وصال و رہنما بھی ہے؟
کوئی اس قافلے میں تافلہ سالار بھی ہے؟
بڑھ کے خیر ہے میرے کھروین وطن
اس زمانے میں فوجی حیدرِ لڑا بھی ہے؟
علم کی حکایت ہے بن قیوم کے لیے
لذتِ شوق بھی ہے نعمتِ دیدار بھی ہے

پیرِ ناز یہ کہتا ہے کہ ایوانِ فرنگ
سُست بنیا بھی ہے، آئینہ دیوار بھی ہے



حادثہ وہ جو بھی پڑے منہ لال میں ہے
عکسِ کس کا مرے آئینہ اور اک میں ہے
زہ تارے میں ہے نہ کروشنِ فلال میں ہے
تیرے تیرے میرے نالے بے بال میں ہے
یا مری آہ میں فوجی شہرِ زندہ نہیں
یا درانم ابھی میرے خوش خاشاک میں ہے
کیا عجیب یہی نوا ہے کس کے گھر سے
زندہ ہو جائے وہ تشریفِ مرغی خال میں ہے

۶۹
توڑ ڈالے کی یہی خال طلسم شبِ روز
گرچہ الجھی ہوئی تقدیر کے پیچال میں ہے



رہانہ حلقہ صوفی میں زمشتاقی	فسانہ ہائے کرامت روکتے باقی
خراب کوٹھار سلطانِ خانقاہِ فقیر	فغاں کہ تختِ صوفی کمالِ راقی
خمرے کی اور محشر کوٹھارِ ال روز	کتابِ صوفی و ملائی سادہ و راقی
نہ چینی و عربی و دُورِ رومی شامی	سما سکا نہ دجالم میں مردِ آفاقی
مے شبنم کی مستی تو ہو چلی لکین	لکھنا کھٹکے لہے لوں میں در شمعِ سیاقی
چمن میں تلخ نوائی مری لوارِ ال	کہ زہر بھی کبھی کرتا ہے کارِ تریاقی
عزیز تر ہے متاعِ امیرِ سلطان سے	وہ شعر جس میں ہو جلی کا سو و برقی



ہو نہ زور سے اس کے گریباں چاک
گرچہ مغربوں کا جنوں بھی چالاک

مے یقین سے غمیر حیات ہے پر سوز
عروجِ آدمِ حنّٰلی کے منتظر ہیں تمام
یہی مانہ حنّٰس کی کائنات ہے کیا
تو بے بصر ہو تو یہ مانعِ نگاہ بھی ہے
زمانہ تسل کو سمجھا نوا ہے شعلِ راہ
جہاں سگم میراثِ مومن کی

نصیبِ سببِ یاربِ آیتِ شکر
یہ لکشاں ہے ستارے نیلگوں افلاک
دماغِ روشنِ دل تیرو نہ بے بال
وگرنہ اک ہے مومن جہاں خوش خاشاک
کے خبر کے خبر بنوں بھی حسابِ احوال
مے غلامِ حقیقت ہے نکستہ لوال



یوں ہاتھ نہیں آتا وہ کو ہر ایک نہ
یا سنج و طعنِ دل کا اتین جہاں لیری
یا حیاتِ فارابی یا تابِ تب و تہی
یا عفتل کی روباہی یا عشقِ یُدِ لہی
یا شرعِ سلمانی یا دیر کی دربانی
میری میں فقیری میں شاہی میں غلامی میں

یا کسی و آزادی اے سمتِ مردانہ
یا مردِ قلندر کے اندازِ ملوکانہ
یا سکرِ حلیمانہ یا جذبِ حلیمانہ
یا حیلہٗ منبری یا حملہٗ ترکانہ
یا نعرۂ ستانہ یا عجبِ دولتِ خانہ
کچھ کام نہیں بننا بے جراتِ زندہ



نہ تختِ تاج میں نہ لشکرِ سپاہ میں ہے
 جو بات مر و قیامت کی بارگاہ میں ہے
 صنم لہ ہے چہاں اور مر و حق ہے خلیل
 یہ نیکتہ ہے کہ پوشیدہ لا الہ میں ہے
 وہی جہاں ہے تر آج بس کو تو کرے پیدا
 یہ سنگِ خشت نہیں جو تری نگاہ میں ہے
 مہ و ستارے کے مقام ہے جس کا
 وہ شستِ خاک ابھی لو اگنِ آہ میں ہے
 خبر ملی ہے حیدریانِ محروم سے مجھے
 فرنگِ کزریل بے پناہ میں ہے
 تلاش اس کی فضاؤں میں کہ نصیب اپنا
 جہاں تازہ مری آہِ صُربِ گھاہ میں ہے
 مرے کہ دو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
 نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے



فطرت نے نہ بخشا مجھے امیدِ شیشہ چالاک
 رکھتی ہے مگر طاقتِ پُر از مری خاک
 وہ خال ہے جس کا جنوں صُعیل اور اک
 وہ خال کہ جبریل کی ہے جس سے قبا چاک

۷۲
 وہ خاک کے پروائے شمع نہیں رکھتی
 چشتی نہیں پہنائے چمنِ خمے و خاشاک
 اس خاکِ فدا شدہ نے بخشے ہیں وہ آنسو
 کرتی ہے چمک جن کی ستاروں و عرقِ ناک



کریں گے اہل نظر تازہ بستیاں آباد
 مری نگاہ نہیں سوتے کو فہ و بعاد
 یہ مدرسہ جو انیسویں دور و رعنائی
 انھی کے دم سے مہینا نہ فرما آباد
 فلسفی سے نہ ملا سے ہے عرضِ مجاہد
 یہ دل کی موت وہ اندیش و غلط کافراد
 فقیر شہر کی تختی نہ لیا مجالِ مری
 مگر یہ بات کہ میں ٹھوٹا ہوں دل کی کشاد
 خرید سکتے ہیں دنیا میں عشرتِ پرویز
 خدا کی دین ہے ساری عینِ فرما
 کیے ہیں فاش رموزِ سندری میں نے
 کہ فکریہ و خانقاہِ ہوا زار
 رشی کے فاقوں کو ٹانہ برہمن کا طلسم
 عصیانہ ہو تو کلیسیا ہے کارِ بے بنیاد



کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی عمارت
 گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی جانب دی

خالی ہے مگر اس کے انداز میں ہندو کی
 سیکھائی فرشتوں کو اوم کی تریب اس نے
 رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
 اوم کو سلکھاتا ہے واجپند وندی



نئے نئے در باقی، نئے نئے در بازی
 روشن ہے جامِ شیداب تک
 دل ہے سماں میں سرانہ تیرا
 میں جانستاپوں انجام اس کا
 ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں
 آذر کا پیشِ حنار اتراشی
 تو زندگی ہے پائندگی ہے
 جیتا ہے رومی، ہارا ہے رازی
 شاہی نہیں ہے بے شیشہ بازی
 تو بھی نسا زئی میں بھی نسا زئی
 جس سر کے میں ملا ہوں غازی
 حرفِ محبت ترکی نہ تازی
 کا خلیلاں حنار الہ زئی
 باقی ہے جو کچھ سب خال بازی



گرم فغاں ہے جگر سے اٹھ لے کیا قافلہ
 وائے وہ رہرو کہ ہے منتظرِ راحلہ

تیری طبیعت ہے اور تیرا زمانہ ہے اور
 دل ہو غلامِ حسنہ و یالہ امامِ حسنہ
 اُس کی خودی ہے ابھی شام و سحر میں اس کے
 تیرے نفس سے ہوئی آتشِ گل تیرے
 تیرے موافق نہیں خانقہ سی سلسلہ
 سالک وہ ہوشیار بخت ہے یہ حیلہ
 کہوشوں اس کا ہے جس کی زبان پر
 مرغِ چین ہے یہی تیری نوا کا صلہ



مری نوا سے ہوتے زندہ عارفِ عامی
 حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے مگر سنج
 حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیری
 مجھے یہ ہے مقامِ مرہونِ سُختہ کا بہت
 دیا ہے میں نے انھیں فوقِ آتشِ اشامی
 کہ تار تار ہوتے جسامہ ٹائے احرامی
 بدلتے رہتے ہیں اندازِ لونی و شامی
 نہ رنگ لائے کہیں تیرے ہاتھ کی خامی
 شکوہِ سحر و جہتِ حنیفِ دوسطامی
 عجب ہیں کہ مسلمان کو پھر عطا کریں

قبلِ علم و ہمتِ لطفِ خاص ہے نہ
 تری نگاہ میں تھی میری ناخوشِ اندامی





ہر اک مہم سے اے لڑ لیا مہ نو کمال کس کو میسر ہو ہے بے تک و دو
 نفس کے زور سے و غنچہ و ابرو بھی تو کیا جسے نصیب نہیں آفتاب کا پرتو
 نگاہ پاک سے تیری تو پاک ہے دل بھی کہ دل کو حق نے لیا ہے نگاہ کا پیہر
 پنپ سکا نہ خیاباں میں لالہ دل نو کہ سازگار نہیں تہ جہاں بس مہ جو

ہے نہ ایک غوری کے معرے باقی

ہمیشہ تازہ و شیریں ہے نغمہ خسرو



لکھو نہ جا اس سحر و شام میں اے صاحبِ ہوش
 اک جہاں اور بھی ہے جس میں فردا ہے نہ دوش
 کس کو معلوم ہے ہر نگاہِ فردا کا مقام
 مسجد و مکتب و مہینہ ہیں تہ سے خموش

۷۶
میں نے پایا ہے اُسے اشکِ گہکا ہی میں
جس نے ناب کے خالی ہے صند کی غوش
نتی تہذیب تکلف کے سوا کچھ بھی نہیں
چہرہ روشن ہو تو کیا حاجتِ گلگونہ فروش
صاحبِ ساز کو لازم ہے کہ عنافل نہ رہے
گلے کا ہے عن لٹا ہناب بھی ہوتا ہے سروش



تھا جہاں رستہ شیریں شاہنشاہی	آج آن جناتھوں میں ہے فقط روباہی
نظر آتی نہ مجھے تافلہ سالاروں میں	وہ شبانی کہ ہے تمہیں عظیم الہی
لذتِ نغمہ کہاں مرغِ خوش الحان کے لیے	اوہ اس باغ میں کرتا ہے نفسِ قوتاہی
ایک کستی جویرتے سر پر اپنا تاج	ایک کستی جویرتے تمام اکاہی

صفتِ برق چمکتا ہے مرانِ کربند
کبھٹکتے نہ پھر میں طشتِ شبِ میرا ہی



ہے یاد مجھے کتہ سمانِ خوش آنک
دنیا نہیں مزانِ جنائش کے لیے تنک
چیتے کا جگر چائے شاہیں کا تحس
جی سکتے ہیں بے روشنی و شرفِ ہنک
کربل و طاوس کی تقلید سے توبہ
بمل فقط آواز ہے طاوس فقط زنا!



فقر کے ہیں معجزات تاج و سیرو سپاہ
فقر ہے میروں کا میر فقر ہے شاہوں کا شاہ
علم کا مقصود ہے پاکی عتلا و خرد
فقر کا مقصود ہے حققتِ قلب و نگاہ
علم فقیر و حکیم فقر تریح و حکیم
علم ہے جو یاتے راہ فقر ہے جو دانتے راہ
فقر مستام نظر، علم مستام خبر
فقر میں سستی ثواب علم میں سستی کناہ
علم کا موجود اور فقر کا موجود اور
اشہد ان لا الہ الاہ، اشہد ان لا الہ!

✽ سلمان بسو و سعد سلمان - غزنوی دور کا نامور ایرانی شاعر جو غالباً لاہور میں پیدا ہوا

چڑھتی ہے جب فقر کی سانپہ تیغ خوبی؎
 ایک سپاہی کی ضرب کتنی ہے کارِ سپاہ؎
 دلِ الراس خال میں زندہ و بیدار ہو
 تیری نکلے توڑے آسمان مہر و ماہ



کمالِ جوشِ جنوں میں ہا میں کرم طواف؎
 خدا کا شکر سلامت ہا حرم کا غلاف؎
 یہ تصاقِ مبارک ہو مومنوں کے لیے
 کہ یک زبان ہیں فقہیان شہر میرے خلاف؎
 تڑپ ہے فلاطوں میں انجیب و جنو
 ازل سے اہلِ حنہ کا مقام ہے اعرف؎
 ترے ضمیر یہ جب تک نہ ہو نزولِ کتاب؎
 لکھ لکھتا ہے رازی نہ صاحبِ کشف؎

سرور و سوز میں ناپائدار ہے ورنہ
 مے فرنگ کا تہ جگر بھی نہیں ناصاف



شہر و ہوشِ ضرر کا معاملہ ہے عجیب؎
 مقامِ شوق میں ہیں سب دل و نظر کے رقیب؎

۷۹
 میں جانتا ہوں جماعت کا حشر کیا ہوگا
 اگرچہ میرے شیعین کا کر رہا ہے طواف
 مسئلہ نظری میں الجھ گیا ہے خطیب
 مری نوا میں نہیں طائر چپ کا نصیب
 سناتے کون اسے اقبال کا یہ شعر غریب
 سناتے ہیں نے سخن رس ہے تکرار عثمانی

سمجھ رہے ہیں وہ یورپ کو ہم جوار اپنا
 ستارے جن کے نشیمن ہیں زیادہ قریب

قطعہ

اندازِ بیاں اگرچہ بہت شوخ نہیں ہے
 شاید کہ اتر جاتے ترے دل میں مری بات
 یا وسعتِ افلاک میں تجسیرِ مسلسل
 یا خاک کے اغوش میں تسبیح و مناجات
 وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
 یہ مذہبِ ملا و جمادات و نباتات




کھڑی


وہ دیکھ ہم نافرمانہ !
کھلی کی ادا سودا گرازا !
بزرگے مرا ہر اہل چاک
بیراہل جنوں کا یہ زمانہ !

۲۲ حصہ (درم)

فہم بھر میں کھو کر سنبھل جا
تڑپ جا کھٹکے جا کھٹکے جا بیچ کھا کھا کر بدل جا
سندھ کا سر نہایت توجہ پر سال تری کتب میں آج !
انہو سر جس طرف چاہے نکل جا !

رُباعیت


 رہ و رسم حرم نامحسوس نہ
 کلیسا کی ادا سوداگرانہ
 تیرے مرا پیرا ہن چال
 نہیں اہل حبسوں کا یہ زمانہ


 ظلامِ حبس میں کھو کر سنہیل جا
 تڑپ جا، پیچ کھا کھا کر بدل جا
 نہیں ساحلِ ترقی مست ہیں اے موج
 اُبھر کر جس طرف چاہئے نکل جا!



مکانی ہوں کہ آزادِ مَکَہاں ہوں جہاں بیٹوں کے خود سارا جہاں ہوں
وہ اپنی لامکانی میں ہیں مست مجھے اتنا بتا دیں میں کہاں ہوں!



خودی کی حسرتوں میں لم ہائیں خدا کے سامنے گویا نہ تھا میں
نہ دیکھا اُنکھ اٹھا لہرِ بکھوے دو قیامت میں کاشا بن گیا میں!



پریشاں کار و بارِ آشنائی پریشاں ترمری نکھیں نوائی!
کبھی میں ٹھونڈتا ہوں لذتِ وصل خوش آتا ہے کبھی سوچِ بدائی!



یقین، خلیلِ آتش نشینی یقین، اللہِ مستی، خود گزینی
سُن اے تہذیبِ باضرے گرفتار غلامی سے بہتر ہے بے یمنی



عرب کے سوز میں ساجد ہے
حرم کا راز توحیدِ اہم ہے
تہی حد تک ہے اندیشہِ غرب
کہ تہذیبِ نئی ہے حرم ہے



کوئی دیکھے تو میری نوازی
نفسِ ہندی مقامِ مستہ نازی
ننگہ الودہ اندازِ اندک
طبیعتِ غزنوی قہمتِ یازی



ہرالِ فتنے میں ہے شاید مگریں دل
اسی جلوت ہیں ہے خلوتِ نشیں دل
اسیرِ دُشمنِ دُراپے کوہین
غلامِ کروشنِ دُراپے ہیں دل



ترا اندیشہِ فکری نہیں ہے
ترمی پُر از لولائی نہیں ہے
یہ مانا اصلِ شاپہنی ہے تیری
ترمی آنکھوں میں ہے بالی نہیں ہے



نہ مومن ہے نہ مومن کی امیری رہا صوفی، ایسی روشن ضمیری
خدا سے پھر ہی قلب و نظر مانگ نہیں ممکن ایسی بے فقیہی



خودی کی جستجو میں صطفائی خودی کی جستجو میں کبریائی
زمین اسماں لرزی عرش خودی کی زو میں ہے ساری خدائی!



ننگہ الجھی ہوئی ہے ننگ و بویں خرو لھوئی لئی ہے چار سوس
نہ چھوڑائے دل فنِ صبح بھاری اماں شاید ملے اللہ ہو میں!



جمالِ عشق وستی نے نوازی جلالِ عشق وستی بے نیازی
کمالِ عشق وستی ظرفِ حیدر زوالِ عشق وستی حرفِ ازی



وہ میرا رونق محفل کہاں ہے مری بجلی مرا حائل کہاں ہے
مقام اس کا ہے ل کی خلو توں میں خدا جانے مستام دل کہاں ہے



سوارِ مات و محمل نہیں ہیں نشانِ جاوہ ہوں منزل نہیں ہیں
مری تقدیر ہے حنا شاک سوری فقط بجلی ہوں میں حائل نہیں ہیں



تسے سینے میں دم ہے ل نہیں ہے ترا دم کمری محفل نہیں ہے
گزر جاتل سے آگے کہ یہ نور چراغِ راہ ہے منزل نہیں ہے



ترا جوہر ہے نوری پاک ہے تُو فرغِ دیدہ افلاک ہے تُو
ترے صید یوں ان فرشتہ و حو کہ شاہینِ شہ لولاک ہے تُو



محبت کا جنوں باقی نہیں ہے مسلمانوں میں محرم باقی نہیں ہے
صفیں لے کر دل پریشان سجدے بے روق کہ جذب اندروں باقی نہیں ہے



خودی کے زور سے نیا پہ چھا جا مسم زناں بو کا راز پا جا
بزم بکھ حراں اشنارہ کہ کعبہ اعلیٰ سے من لھنیٹا جا



چمن میں خست گل شبنم سے رہا ہے سمن پہ سبز ہے باؤ سحر ہے
کڑھ نکارہ ہو سکتا نہیں غم یہاں کالہ بے سوز جگر ہے



خبر سے اہر روشن صبر ہے خبر دلی ہے چراغِ دل ہے
درونِ جناں نہ نکامے ہیں لیا لیا چراغِ رہ لزر کو کیسا خبر ہے



جوانوں کو مری آہِ حسرت
پھر ان شاہین بچوں کو بال پرے
خدایا! از رو سیری ہی ہے
مرزا بصریت عام لروے



ترمی دنیا جہانِ مُنع و ماہی
بری دنیا فغانِ صبح کاہی
ترمی دنیا میں محکوم و مجبور
بری دنیا میں تیری پاؤں شاہی!



کہ تم یہ کہ بے جوہر نہیں میں
غلامِ نعلِ سنجہ نہیں میں
جہاں بڑی مری فطرت ہے لیکن
کسی بیشکِ عارف نہیں میں



وہی اصل مکانِ لامکاں ہے
مکانِ کیشے ہے اندازِ بیاں ہے
خضرِ کنوکر بتائے کیا بتائے
اکرمِ ماہی لے دریا لہاں ہے



کبھی آوارہ و بے خانماں عشق کبھی شاہِ شہاں نوشیِراں عشق
کبھی میدان میں آتے ہرے پوش کبھی عریان و بے تن و سناں عشق!



کبھی نہ سائی کوہ و دمن عشق کبھی سوز و سُور و انجمن عشق
کبھی سزایہ محراب و منبر کبھی مولائی خیر شکن عشق!



عطا اسلاف کا جذبِ دُروں کر شریکِ زمرہ لائے نژادوں کر
خود کی لٹھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحبِ جنوں کر!



نیکت میں کیسا بوجھ سہا کہ جاں مری نہیں مگر کس بدن سے
چمک سوج میں کیا باقی ہے لی اگر بس نزار ہو اپنی کرن سے!



خود واقف نہیں ہے کیا وہ ہے بڑھی جاتی ہے طالم اپنی حد
خدا جانے مجھے کیا ہو کیا ہے غروبِ زارِ دل سے دلِ خرو سے!



خدا آئی اہم خستہ تر ہے خداوندِ ابدائی درو سر ہے
وہی کن بندگی استغفر اللہ! یہ درو سر نہیں درو جگر ہے



یہی آدم ہے سلطانِ محروبر کا کہوں کیا جاہل اس بے بھر کا
نہ خود بین نے خدا بین نے جہاں میں یہی شہکار ہے تیرے ہنر کا!



وہ عارفِ نسیمِ جدم ہے اسی سے ریشہ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر شبانی سے کلیمی دم ہے



رگوں میں وہ لہو باقی نہیں ہے وہ دل وہ آرزو باقی نہیں ہے
نماز و روزہ و تبرانی وج یہ باقی ہیں تو باقی نہیں ہے



کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی کیا دورِ حدیثِ لُن ترانی
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار وہی مدی وہی آخرِ زمانہ



زمانے کی یہ کرب و شرِ باوٹا حقیقت ایک تو باقی فسانہ
کسی نے دوشن دکھایا ہے نہ فروا فقط امروز ہے یہ زمانہ



حکیم ہی نہا سلمانی خودی کی حکیم ہی رمزِ نہپانی خودی کی
تجھے گرفت و شاہی کا بتا دوں غریبی میں نگہبانی خودی کی



ترا تن رُوح سے نا آشنا ہے عجب کیا! آہ تیر می نارس ہے
تن بے رُوح سے بیزار ہے حق خدا سے زندہ زندوں کا خدا ہے



قطعہ

اقبال نے کل اہل خیاباں کو سنایا
یہ شعرِ نشاط اور وُپر سوز و طربِ نال
میں صُورتِ گلِ دستِ صبا کا نہ محسوس
کرتا ہے مراجعِ شجرِ جنوں میری قبا چال



دعا

مسجدِ قطبہ میں لکھی گئی

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
 مری نواؤں میں ہے رے جگر کا لہرو !
 صحبتِ اہلِ صفا نور و حضور و سرور
 سرفروش و پیر سوز ہے لالہ لبِ آبجو
 راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق
 ساتھ مری گئی ایک مری آرزو !
 مرا شمع ہیں درگاہِ میر و وزیر
 میرا شمع بھی تو شاخِ شمع بھی تو !
 تجھ سے گریباں مرا مطلعِ صبحِ شہور
 تجھ سے مری سینے میں آتشِ لہو !

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دُعَا

(سب سے قریب سے میں لکھتی ہوں)

ہے یہی میری نماز ہے یہی میرا وضو
 میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
 صحبتِ اہل صفاء، نور و حضور و سرور
 سرخوش و پرسوز ہے لالہ لبِ آبجو
 راہِ محبت میں ہے کون کسی کا فریق
 ساتھ مرے رہ کتنی ایک مری آرزو
 میرا شمع نہیں درلہ میرا وزیر
 میرا شمع بھی تو شاخِ شمع بھی تو

تجھ سے کرباں مرا طبعِ صبحِ نشور
 تجھ سے مرے سینے میں آتشِ اُتھو
 تجھ سے مری زندگی سوز و تب و درد و داغ
 تُو ہی مری آرزو، تُو ہی مری جستجو
 پاس اگر تُو نہیں، شہر ہے ویراں تمام
 تُو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاغذ و لو
 پھر وہ شراب کُنن مجھ کو عطا کر کہ میں
 ڈھونڈ رہا ہوں اُسے توڑ کے جام و سُبُو
 چشمِ کرم سا قیا! دیر سے ہیں منتظر
 جلدوتیوں کے سُبُو، جلدوتیوں کے لُڈو
 تیری خندانیاں سے ہے میرے جنوں کو کلمہ
 اپنے لیے لامکاں میرے لیے چار سُوا
 فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا
 حرفِ تنہا ہے کہ نہ سکیں رُو برو

مسجدِ قرطبہ

(ہسپانیہ کی سرزمین، بالخصوص قرطبہ میں لکھی گئی)

سلسلہ روز و شب، نقشِ کبرِ حادثات
 سلسلہ روز و شب، اصلِ حیات و ممات
 سلسلہ روز و شب، تارِ حریر و رنگ
 جس سے بنائی ہے ذاتِ اپنی قبلتے صفات
 سلسلہ روز و شب، سازِ ازل کی فغاں
 جس سے دکھاتی ہے ذاتِ زیر و بمِ کائنات
 تجھ کو پرکھتا ہے یہ مجھ کو پرکھتا ہے یہ
 سلسلہ روز و شب، صیرفی کائنات
 تو جو الکرم عیار، میں ہوں الکرم عیار
 موت کے تیری برات، موت کے میری برات

تیرے شب و روز کی اور حقیقت ہے کیا
 ایک زمانے کی رُوح جس میں نہ دن ہے نہ رات
 اتنی وفائی تمام معجزہ ہائے مُہر
 کارِ جہاں بے ثبات، کارِ جہاں بے ثبات!
 اول و آخر فنا، باطن و ظاہر فنا
 نقشِ کُنن ہو کہ نو، منزلِ آخر فنا
 ہے مگر اس نقش میں زنا بے ثباتِ دوم
 جس کو لیا ہو کسی مروجہ دے تمام
 مروجہ کا عمل عشق سے صاحبِ مرغ
 عشق ہے اصلِ حیات، موت ہے اس پر حرام
 شند و سبک سیر ہے لہرِ چہرے ملنے کی رو
 عشقِ خدواں سَیل ہے سَیل کو لیتا ہے تھام
 عشق کی تقویم میں عصرِ رواں کے سوا
 اور زمانے بھی ہیں جن کا نہ سیں کوئی نام

عشق دمِ جبریل، عشق دلِ مصطفیٰ
 عشق خدا کا رسول، عشق خدا کا کلام
 عشق کی مستی سے ہے پیکرِ گل تابناک
 عشق ہے صہبائے خام، عشق ہے کائناتِ کرام
 عشق فقیرِ حرم، عشق امیرِ جنود
 عشق ہے ابنِ اسبیل، اس کے ہزاروں مقام
 عشق کے مضراب سے نغمہ تارِ حیات
 عشق سے نورِ حیات، عشق سے نارِ حیات
 اے حرمِ قرطبہ! عشق سے تیرا وجود
 عشق سراپا دوام جس میں نہیں رفت و بود
 رنگ ہو یا نشت و سنک چنک ہو یا حرف و صوت
 معجزہ فن کی ہے خونِ جگر سے نمود
 قطرۂ خونِ جگر سل کو بناتا ہے دل
 خونِ جگر سے صد سوز و سُور و سرود

تیری فضا دل فرزند میری نوا سینہ سوز
 تجھ سے دلوں کا حضور مجھ سے دلوں کی شہود
 عرشِ معلیٰ سے کم سینہ آدم نہیں
 کہ چپ کفِ خال کی حد ہے سپہرِ کبود
 پیکرِ نوری کو ہے سجہ دہ میسر تو لب
 اس کو میسر نہیں سوز و لہذا زبجو
 کافر ہندی ہوں میں، دیکھ مرا ذوق و شوق
 دل میں صلوٰۃ و درود، لب پہ صلوٰۃ و درود

شوق مری لے میں ہے، شوق مری نے میں ہے
 نعمت اللہ تھو میرے دل و پے میں ہے
 تیرا جلال و جمال، مردِ خدا کی بیل
 وہ بھی بیلِ جلیل، تو بھی بیلِ جلیل
 تیری بنا پادار، تیرے ستوں بے شمار
 شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجومِ خلیل

تیرے درو بام پر واوی امین کا نور
 تیرا منہ بہت جلوہ کہ جب سہیل
 ہٹ نہیں سکتا کبھی مردِ سماں کہ ہے
 اس کی اذانوں سے فاش سہرِ کلیم و خلیل
 اس کی زمیں بے حدود، اس کا اُفق بے ثغور
 اس کے سمندر کی موج، و جلد و دنیوب و نیل
 اس کے زمانے عجیب، اس کے فسانے غریب
 عہدِ لہن کو دیا اس نے پیامِ حمیل
 ساقیِ اربابِ فوق، فارسِ میدانِ شوق
 بادہ ہے اس کا رقیق، تیغ ہے اس کی اکیل
 مردِ سپاہی ہے وہ، اس کی زرہ 'لا الہ'
 سایہ ششیر میں اس کی پنہ 'لا الہ'
 تجھ سے ہوا آشکار بندہ مومن کا راز
 اس کے دنوں کی پیش، اس کی شبوں کا کداز

اس کا مہتمم بلند، اس کا خیال عظیم
 اس کا سرور اس کا شوق، اس کا نیاز اس کا ناز
 ہاتھ سے اللہ کا بندہ مومن کا ہاتھ
 غالب و کارائیں، کارنشا، کار ساز
 خالی و نوری نہاد، بندہ مولا صفات
 پر و جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
 اس کی اُمیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
 اس کی ادا دل فریب، اس کی نلکہ دل نواز
 رزم دم نفستو، کرم دم جستجو
 رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاک با
 نقطہ پر کار حق، مروجہ خدا کا یقین

اور یہ عالم تمام وہم و غم و مجاز
 عقل کی منزل ہے وہ عشق کا حاصل ہے وہ
 حلفتہ آفاق میں کرمی محفل ہے وہ

کعبہ اربابِ فنِ اسطوتِ دینِ نبیین
 تجھے جسے ہم مرتبہ اندسیوں کی زمیں
 ہے تہ لکڑوں کے حسن میں تیری نظیر
 قلبِ سماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں
 اہ وہ مردانِ حق ! وہ عربی شہسوار
 حاملِ حُلقِ عظیم، صاحبِ صدق و یقین
 جن کی حکومت ہے فاش یہ رمزِ غریب
 سلطنتِ ایلِ دلِ فست ہے شاہی نہیں
 جن کی نگاہوں نے کی تربیتِ شرق و غرب
 ظلمتِ یورپ میں تھی جن کی حُر راہ ہیں
 جن کے لہو کی طغیانیل آج بھی ہیں اندھی
 خوش دل و گرم اختلاط، سادہ و روشن جبیں
 آج بھی اس دیس میں عام ہے چشمِ غمِ غزال
 اور نگاہوں کے تیر آج بھی ہیں دلِ نشیں

۱۰۲
نوستے مین آج بھی اس کی ہواؤں میں ہے
رنگ حجاز آج بھی اس کی نواؤں میں ہے

دیدۂ انجم میں ہے تیری زمیں، آسمان
اے کہ صدیوں سے ہے تیری فضا بے ازاں
کون سی وادی میں ہے کون سی منزل میں ہے
عشق بلاخیز کا مٹا فلاح نہایت جاں
دیکھ چکا المنی، شورشِ صحرایہ دیں
جس نے نہ چھوٹے لہجے میں لہجے کے نشان
حرفِ غلط بن لئی عصمت پر کُنشت
اور ہوتی فکر کی کشتی نازک رواں
چشمِ فراس میں بھی دیکھ چکی نہایت
جس سے دلزلوں ہوا محنتِ بیوقوفِ جاں
ملتِ رومی نژاد کُنشت پرستی سے پیر
لذتِ تجدید سے وہ بھی ہوتی پھیلاں

رُوحِ مسلمان میں ہے آج وہی ضابطہ
 رازِ حقائق ہے یہ، کہہ نہیں سکتی زباں
 دیکھیے اس بحر کی تر سے اُچھلتا ہے کیا
 گنبدِ نیلوفرِ سری رنک بدلتا ہے کیا
 وادی کہسار میں عسقرِ شفق ہے سحاب
 لعلِ بدخشاں کے ڈھیر چھوڑ لیا فستاب
 ساوہ و پُرسوز ہے دخترِ مہتاسِ کالیت
 کشتیِ دل کے لیے سِل ہے عہدِ شباب
 اب روانِ کبیرِ تیرے لنگے کوئی
 دیکھ رہا ہے کسی اور زلزلے کا خواب
 عالمِ نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں
 میری نگاہوں میں ہے اس کی سحرِ بے حجاب

• وادِ لکبیر، قریبہ کا مشہور دیا جس کے قریب ہی مسجدِ شریفہ واقع ہے

پروہ اُٹھٹا دوں اگر چہ سِرۂ افکار سے
 لانہ کے کافر تباہ میری نواؤں کی تاب
 جس میں نہ ہو تہتلاہ موت سے وہ زندگی
 رُوح اُمم کی حیات شمشیر انقلاب
 صُورِ شمشیر ہے سب قضا میں وہ قوم
 کرتی ہے جو ہر زمان اپنے عمل کا حساب
 نقش ہیں سب نام تمام خونِ جگر کے بغیر
 نغمہ ہے سودائے خام خونِ جگر کے بغیر

قید خانے میں مستعد کی فریاد

معتمد شبیلیہ کا بادشاہِ عربی شاعر تھا۔ سپاہیوں نے ایک حکمران نے اس کو شکست دے کر قید میں
 ڈال دیا تھا۔ معتمد کی نظمیں انگریزی میں ترجمہ ہو کر روزنامہ "ایسٹ سیریز" میں شائع ہو چکی ہیں۔

اک فنِ ان بے شر سینے میں باقی رہ گئی
 سوز بھی رخصت ہوا، جاتی رہی تہاں بھی

مردِ سرزنداں میں ہے بے نیرِ و شمشیرِ آج
 میںِ شیاں ہوں شیاں ہے مری تدبیر بھی
 خود بخود زنجیر کی جانب لھنچا جاتا ہے دل
 تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
 جو مری تیغ و دودم تھی، اب مری زنجیر ہے
 شوخ و بے پروا ہے کتنا خالقِ تقدیر بھی!
 عبدالرحمن اول کا بویا بویا لکھجور کا پہلا درخت

سرزین اندلس میں

یہ اشعار جو عبدالرحمن اول کی تصنیف سے ہیں تاریخِ اقصیٰ میں درج ہیں۔ سند جب فیل
 ارنو نظم ان کا از ترجمہ ہے (درختِ مذکور مدینۃ الزہراء میں بویا لیا تھا)

میری آنکھوں کا نور ہے تُو میرے دل کا سور ہے تُو
 اپنی واوی سے دُور ہوں میں میرے لیے نخلِ طور ہے تُو
 مغرب کی ہوائ نے تجھ کو پالا صحرائے عرب کی حور ہے تُو

پرویس میں ناصبور ہوں میں پرویس میں ناصبور ہے تُو

غربت کی ہوا میں بارور ہو

ساتی تیرا نیم سحر ہو

عالم کا عجیب ہے نظارہ دامنِ نیک ہے پارہ پارہ

ہمت کو شناوری مبارک! پیدا نہیں سحر کا کنارہ

ہے سوزِ دروں سے زندگانی اٹھتا نہیں خاک سے شرارہ

صبحِ غربت میں اور چمکا ٹوٹا ہوا شام کا ستارہ

مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے

مومن کا مہم تمام ہر کہیں ہے

ہمِ پانیہ

(ہمِ پانیہ کی سرزمین میں لکھ گئے)

(واپس آتے ہوئے)

ہمِ پانیہ تُو خونِ مسلمان کا امیں ہے

مانندِ حرمِ پاک ہے تُو میری نطفہ میں

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشان ہیں
 خاموش اذانیں ہیں تری باوجودِ سر میں
 روشن تھیں ستاروں کی طرح ان کی سنائیں
 خیمے تھے کبھی جن کے ترے کوہ و کمر میں
 پھر تیرے حسینوں کو ضرورت ہے جنا کی؟
 باقی ہے ابھی رنایا کے خونِ جگر میں!
 کیونکر حسن و خاشاک سے وہ جانے مسلمان
 مانا، وہ تب و تاب نہیں اس کے شرر میں
 عنایت بھی دیکھا مری آنکھوں نے، لیکن
 تکین مسافر نہ سفر میں نہ حضر میں
 دیکھا بھی دیکھا یا بھی، سُنایا بھی سُنایا
 ہے دل کی تسلی نہ نطس میں، نہ خبر میں!



طارق کی دعا

(اندلس کے میدان جنگ میں)

عین زمی، تیرے پراسرار بندے
جنہیں تُو نے بخشا ہے فوقِ خدائی
دونہم ان کی ٹھوکر سے صحرِ اوریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہسیت سے آتی
دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذتِ آشنائی
شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مومن
نہ مالِ غنیمت نہ کشورِ ثانی

خیاباں میں ہے منتظرِ لالہ کب سے

قبا چاہیے اس کو خونِ عرب سے

کیا تُو نے صحرِ آشینوں کو ملکیت
خبر میں نطس میں، اذانِ سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو
وہ سوز اس نے پایا انھی کے جگر میں
کشا و درِ دل سمجھتے ہیں اس کو
ہلاکت نہیں موتان کی نطس میں
دلِ مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی برقِ لا تذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ سماں کو تلوار کر دے

لینن (خدا کے حضور میں)

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیات
 حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تیری ذات
 میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے
 ہر دم متغیر تھے حسرت کے نظریات
 محرم نہیں فطرت کے سر و اذلی سے
 بنیلے کو اکب ہو کہ دانا تے نباتات
 آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت
 میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
 ہم بندِ شب و روز میں جلتے ہوئے بندے
 توحفِ البق اعصار و نگارندہ آفات !

اک بات اگر مجھ کو اجازت ہو تو پوچھوں
 حل کرنے کے جس کو علمیوں کے مقالات
 جب تک میں جیامیہ افلاک کے نیچے
 گلے کی طرح دل میں کھٹکتی رہی یہ بات
 گفتار کے اسلوب یہ قانون نہیں رہتا
 جب روح کے اندر مستلاطم ہوں خیالات
 وہ کون سا آدم ہے کہ توجس کا ہے عبود
 وہ آدم حنالی کہ ہے زیرِ مساوات؟
 مشرق کے حنداوند سفیدانِ مندرلی
 مغرب کے حنداوند درخشندہ فلذات
 یورپ میں بہت روشنی علم ٹپ رہے
 حق یہ ہے کہ بے چشمہ حیواں ہے ظلمات
 عمان کی تعمیر میں رونق میں صفا میں
 گرجوں سے کہیں بڑھ کے ہیں منکوں کی عمارات

ظاہر میں تجارت ہے حقیقت میں جوا ہے
 سود ایک کا لالھوں کے لیے مرلِ مفاجات
 یہ عِلم، یہ حکمت، یہ تدبیر، یہ حکومت
 پیتے ہیں لہو، دیتے ہیں تسلیم مساوات
 بے کاری و عُربانی و مے خواری و افلاس
 کیا کم ہیں فتنہ نگلی مذہبیت کے فتوحات
 وہ قوم کہ فیضانِ سماوی سے چھو محسروم
 حد اس کے کمالات کی ہے برق و بجارت
 ہے دل کے لیے موتِ شینوں کی حکومت
 احساسِ مروت کو نچل دیتے ہیں آلات
 اثار تو کچھ کچھ نطنہ آتے ہیں کہ آخر
 تدبیر کو تقدیر کے شاطرنے کیا مات
 مہینے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل
 بیٹھے ہیں اسی فنکرم میں پیرانِ خرابات

چہروں پہ جو سُرخِ نطن آتی ہے شہرام
 یا عنازہ ہے یا ساعتِ روینا کی کرامات
 تو فتادور و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
 ہیں تلخ بہت بندہٴ مزدور کے اوقات
 کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ؟
 دنیا ہے تری منتظرِ روزِ مکافات !

فرشتوں کا لیت

عقل ہے بے زمام ابھی عشق ہے بے مقام ابھی
 نقشِ لہرِ ازل ! تر نقش ہے تہ نام ابھی
 خلقِ خدا کی لہات میں رند و فقیہ و مہرِ پیر
 تیرے جہاں میں ہے وہی لہرِ شمسِ صبح و شام ابھی
 تیرے مہرِ مالِ مست تیرے فقیرِ حالِ مست
 بندہ ہے کوچہ گرد ابھی خواجہ بر بلند بام ابھی

دانش دین و علم و فن بندگی ہو ستم
 عشق کرہ نشائے کافض نہیں ہے عام ابھی
 جو ہر زندگی ہے عشق جو ہر عشق ہے خودی
 اہ کہ ہے یہ تیغ تیز پر دی نیام ابھی!

فرمان خدا

(فرشتوں سے)

اٹھو! مری دنیا کے غریبوں کو جلا دو	کانخ امرا کے در و دیوار ہلا دو
گرماء و غلاموں کا لہو سوز یقیں سے	لنجشک فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو
سلطانی بسمہور کا آتہ ہے زمانہ	جو نقش لہن تم کو نظر آئے، مٹا دو
جس کھیت سے ہر حق کو میسر نہیں روزی	اُس کھیت کے ہر خوشہ کندم کو جلا دو
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پروے	پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو
حق را بسجودے صہماں بطولانے	بہتر ہے چراغ حرم و دیر بچھا دو
میں ناخوش و بیزار ہوں مہر کی سلوں سے	میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو
تہذیبِ نئی کا لہرِ شیشہ لراں ہے	آدابِ جنوں شاعرِ مشرق کو سلھا دو!

ذوق و شوق

(ان اشعار میں سے اکثر فلسطین میں لکھے گئے)

’درینج آدم زان بہرہ بوستاں تہی دست رفتن سونے دوتاں‘

قلبِ وطن کی زندگی دشت میں صبح کا سماں

چشمہ آفتاب سے نور کی تہیاں رواں

حسنِ ازل کی ہے نمود، چاک ہے پردہ وجود

دل کے لیے ہزار شود ایک نگاہ کا زیاں

سُرخ و لبود بدلیاں چھوڑ کیا سحابِ شب

کوہِ اُسم کو دے لیا زنگِ برنگِ طلیساں

کرد سے پال ہے ہوا، برکِ نخیل دھل گئے

ریگِ نواح کا طمہ نرم ہے شلِ بریاں

اک بجھی ہوئی اوجھڑ ٹوٹی ہوئی طناب اُدھر

کیا خبر اس مقام سے لزرے ہیں کتنے کارواں

اتنی صدائے جبریل، تیرا مہم ہے یہی
 اہل منہ راق کے لیے عیش و دام ہے یہی
 کس سے کہوں کہ زہر ہے میرے لیے مے حیات
 کہنہ ہے بزم کائنات، تازہ ہیں میرے وار و ات
 کیا نہیں اوغرسہ نوی کار کہ حیات میں
 بیٹھے ہیں کب سے منتظر اہل حرم کے سوتا
 ذکرِ عرب کے سوز میں فنِ کبرِ عجم کے ساز میں
 نے عربی مشاہدات، نے عجمی تختِ لائت
 قافلہ حجاز میں ایک حسین بھی نہیں
 گرچہ ہے تاب وار ابھی کیسے و جلد و فرا
 عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اولیں ہے عشق
 عشق نہ ہو تو شرع و دین بُت کدہ تصورِ ات

صدقِ خلیل بھی ہے عشق، حُبرِ سین بھی ہے عشق
 معرکہ وجود میں بدرِ حُسن بھی ہے عشق

ایہ کائنات کا معنی دیرپا ب تو
 نکلے تری ملاش میں قافلہ ہائے رنگ و بو
 جلو تیان مدرسہ کو رنگاہ و مردہ ذوق
 خلوت تیان مے لدہ کم طلب و تہی لدو
 میں کہ مری غزل میں ہے آتشِ رفتہ کا سراغ
 میری تمام سرگزشت لھوئے ہواؤں کی جستجو
 باوہم باکی موج سے نشو و نمائے خار و خس
 میرے نفس کی موج سے نشو و نمائے آرزو
 خونِ دل جو بکھرے ہے میری نوا کی پرورش
 ہے رک سار میں ہواں صاحب ساز کا لہو
 فرصتِ شمشاد مدہ ایں دل بے قرار را
 یک دوشکن زیادہ کن کیسویے تابدار را
 لوح بھی تو، تم تسلیم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
 گنبدِ اہلبی نہ رنگ تیرے محیط میں حباب

عالم آب و خال میں تیرے ظہور سے فروغ
 فزہ ریا کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
 شوکتِ سنجر و سلیم تیرے حبِ لال کی نمود
 فقرِ حبیب و بایزید تیرے اجمالِ بے نقاب
 شوقِ ترا کر نہ ہو میری نماز کا امام
 میرا قیام بھی حجاب، میرا سجدہ بھی حجاب
 تیرے نگاہِ ناز سے دونوں مراد پا لے
 عقلِ غیاب و جستجو، عشقِ حضور و اضطراب
 تیرے و تار سے جہاں کرو شہرِ آفتاب
 طبعِ زمانہ تازہ کر حبِ لہوے بے حجاب
 تیری نظر میں ہیں تمام میرے لڑشتہ روز و شب
 مجھ کو خبر نہ تھی کہ ہے علمِ نخیل بے رطب
 تازہ مرے ضمیر میں سرکہ لہن ہوا
 عشقِ تمام مصطفیٰ، عقلِ تمام بولہب

گاہِ بچیلہ می برو، گاہِ بزور می کش
 عشق کی ابتدا عجب، عشق کی انتہا عجب
 عالم سوز و ساز میں وصل سے بڑھ کے ہے فراق
 وصل میں مرگِ آرزو، حجبِ سر میں لذتِ طلب
 عینِ صہال میں مجھے جو صہلہ نظر نہ تھا
 کرچہ بہانہ جو رہی میری نکالے اوب
 کر می آرزو منہ ارق، شورشِ ہلے و ہونہ ارق
 موج کی جستجو منہ ارق، قطرے کی آبرو منہ ارق!

پروانہ اور جنگلو

پروانہ
 پروانے کی منزل ہے بہت دُور ہے جنگلو
 کیوں آتش بے سوز پہ مغرور ہے جنگلو
 جنگلو

اللہ کا سُشکر کہ پروانہ نہیں میں درِ یوزہ کہ آتش بیگانہ نہیں میں

جاوید کے نام

خودی کے ساز میں ہے غمِ جاوید کا سُراغ
 خودی کے سوز سے روشن ہیں اُمتوں کے چراغ
 یہ ایک بات کہ اوم ہے صاحبِ مقصود
 ہزار گونہ من و مرغ و ہزار گونہ من و مرغ
 ہوتی نہ زراغ میں پیدا بلند پروازی
 خراب کر لیتی شاہیں بچے کو صحبتِ زراغ
 حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
 خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ
 ٹھہرے نہ کسی حلقہ نقاہ میں اقبال
 کہ ہے ظریف و عیش اندیش و شکفتہ و باغ



گدا کی

مے گدے میں ایک دن الٰہی زندہ ہونے لگا
 ہے ہمارے شہر کا گدا والی گدا ہے بے حیا
 تاج پہنایا ہے کس کی بے گلاہی نے اسے
 کس کی عزت پر نے بخش ہے اسے زریں قبا
 اس کے لب لالہ لوں کی خون بہت سے کشید
 تیرے لیے لکھتے کی مٹی ہے اس کی لیمیا
 اس نے نعمت خانے کی ہر چہ سے مانگی ہوئی
 دینے والا کون ہے، مردِ غریب و بے نوا
 مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج
 کوئی مانے یا نہ مانے، میر و سلطان سب گدا!

(ماخوذ از انور می)

ملا اور بہشت

میں بھی حاضر تھا وہاں ضربِ سخن کرنے کا
 حق سے جب حضرت ملا کو بلا حکم بہشت
 عرض کی میں نے، الہی! مری تقصیر
 خوش نہ آئیں گے اسے حور و شراب و لب کشت
 نہیں فروس مقام بدل و متال و اقل
 بحث و تکرار اس اللہ کے بندے کی شت
 ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا
 اور جنت میں نہ مسجد نہ کلیسا، نہ کنشت!

دین و دنیا

کلیسا کی بنیاد و رہبانیت تھی سما کی کہاں اس فقیری میں سیری
 خصوصیت تھی سلطانی و راہبی میں کہ وہ سر ملندی ہے یہ سربزیری

سیاست نے مذہب سے سچا چھڑایا
 چلی بچہ نہ سپر کلیسا کی سپری
 ہوتی دین دولت میں جس دم جدائی
 ہوس کی اسپری ہوس کی وزیری
 دوئی ملک دوس کے لیے نامرادی
 دوئی چشم ہند کی بھابی
 یہ محباز ہے ایک صحرائشیں کا
 بشیری ہے آسینہ دارندیری!

اسی میں حفاظت ہے انسانیت کی
 کہ ہوں ایک خستیدہ روشیری

الارضُ للہ!

پلست ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
 کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب؟
 کون لایا کھینچ کر پچھترسم سے بادِ سازگار
 خال یہ کس کی ہے کس کا ہے یہ نورِ افتاب؟
 کس نے بھردی موتیوں سے خوشہ لندم کی جیب
 موسموں کو کس نے سکھلائی ہے فحشے انقلاب؟

وہ خدا یا! یہ زمین سیرمی نہیں، سیرمی نہیں
تیرے آبا کی نہیں، سیرمی نہیں، سیرمی نہیں

ایک نوجوان کے نام

ترے صفوں میں افرنکی ترے متالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو زلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی
امارت کیا، شکوہ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل
نہ زورِ سیدی تجھ میں نہ استغنائے سلطانی
نہ ڈھونڈ اس پین کو تہذیبِ باختری کی جہتلی میں
کہ پایا میں نے استغنائے میں سرِ راجِ سلطانی
عقابِ رُوح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے اس کو اپنی منزلِ آسمانوں میں
نہ چو نومید، نوہید، نہی زوالِ علم و فضل ہے
اُمیدِ مردِ مومن ہے خدا کے رازدانوں میں

۱۲۴
نہیں تیرا دشمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا لہر پہاڑوں کی چٹانوں میں

نصیحت

بچہ شاہیں سے کہتا تھا عقاب سالخورہ
اے ترشہ سپر اپساں فحش چرخ بریں
ہے شباب اپنے لہو کی آگ میں جلنے کا نام
سخت کوشی سے ہے تلخ زندگانی انجھیں
جو کبوتر پر چھپنے میں مزا ہے اے پسر!
وہ مزا شاید کبوتر کے لہو میں بھی نہیں

لالہ صحرا

یہ گنبدِ مینائی، عیاںِ مہنائی
مجھ کو تو ڈراتی ہے اس دشت کی مہنائی

بھٹکا ہوا راہی میں بھٹکا ہوا راہی تُو
 منزل ہے کہاں تیری اے لاکھ حسرتی
 حنالی ہے ظیموں سے یہ لوہ و لمر ورنہ
 تُو شعلہ سینائی میں شعلہ سینائی
 تُو شاخ سے کیوں چھوٹا میں شاخ سے کیوں ٹوٹا
 اک جذبہ پیدائی اک لذت یکتائی
 نعمتِ اصغرِ محبت کا اللہ نہ سب با ہو
 چر قطرہ دریا میں دریا کی ہے لہرائی
 اُس موج کے ماتم میں روتی ہے جھنور لی اٹکھ
 دریا سے اٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی
 ہے کرمی آدم سے ہر نکاتہ عالم کرم
 سورج بھی تماشائی، تارے بھی تماشائی
 اے بادِ بیابانی! مجھ کو بھی عنایت ہو
 حنا موشی و دل سوزی، سرتی و عنائی!

ساقی نامہ

ہوا خمیرِ زن کاروانِ بہار
 گل و ترس و سوسن و سترن
 جہاں چھپ گیا پردہِ رنگ میں
 فضا نیلی نیلی، ہوا میں سرور
 وہ جوئے کستاں آپکستی ہوئی
 اُچھلتی، پھسلتی، سنہلےتی ہوئی
 رُکے جب تو سل چیر دیتی ہے یہ
 ذرا دیکھ اے ساقی لالہ فام!

رزم بن گیا واسن کو ہزار
 شہیدِ ازل لالہ خونیں لفن
 لہو کی ہے گردشِ رگِ سبک میں
 ٹھہرتے نہیں اشیاں میں طیور
 اُٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
 بڑے پیچ لھا کر نکلتی ہوئی
 پہاڑوں کے دل چیر دیتی ہے یہ
 سناٹی ہے یہ زندگی کا پیام
 کہ اتنی نہیں فصلِ گل روزِ روز
 وہ مے جس سے ہے مستی کائنات
 وہ مے جس سے کھلتے ہیں رازِ ازل

پلاوے مجھے وہ مے پردہِ سوز
 وہ مے جس سے روشن ضمیر حیات
 وہ مے جس میں ہے سوز و سازِ ازل

اٹھا سا قیام پر وہ اس راز سے

لڑائے مموئے کو شہباز سے

زمانے کے انداز بدلے گئے	نیا راک ہے باز بدلے گئے
ہوا اس طرح فاش از فرنگ	کہ حیرت میں ہے شیشہ باز فرنگ
پُرانی سیاست کرمی خوار ہے	زمین میر و سلطان سے بیزار ہے
کیا دور سرمایہ داری لپ	تماشا دکھا کر مدار می لپ
گراں خواب چینی سنبھلنے لگے	ہمالہ کے چشمے اُبلنے لگے
دل طور سینا و فرائ و نیم	تجلی کا پھر منتظر ہے کلیم
مسلمان ہے توحید میں کرم جوش	مگر دل ابھی تک ہے زقار پوش
تمدن، تصوف، شریعت، کلام	بُتانِ عجبم کے کُچ باری تمام
حقیقت خرافات میں کھو گئی	یہ اُمت روایات میں کھو گئی
لُبھاتا ہے دل کو کلام خطیب	مگر لذت شوق سے بے نصیب
بیاں اس کا منطق سے سلجھا ہوا	لُغت کے بکھیڑوں میں الجھا ہوا
وہ صوفی کہ تھا خدمتِ حق میں مروت	محبت میں کیتا، حمیت میں فرد

عجم کے خیالات میں گھوب یہ سالک مقامات میں گھوکا

بجھی عشق کی آگ اندھیر ہے

مسلمان نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

شراب کُن پھر پلاساقیا وہی جامِ لروش میں لاساقیا!

مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا مری حالِ کُنو بنا کر اڑا

حسد کو غلامی سے آزاد کر جانوں کو پیروں کا استاد کر

مہرِ شاخِ ملت ترے نم سے ہے نفس اس بدن میں ترے فم سے ہے

ترپنے پھر کُننے کی تو نسیت دے دلِ مرتضیٰ، سوزِ صفتِ دیتی دے

جلد سے وہی تیر پھر پار کر تمنا کو سینوں میں بیدار کر

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر زمینوں کے شبِ زندہ داروں کی خیر

جانوں کو سوزِ کمرِ بخش دے مرا عشق ہی سہی نظرِ بخش دے

مری ناؤ کو داب سے پار کر یہ ثابت ہے تو اس کو ستار کر

بتا مجھ کو اسرارِ مرل و حیات کہ تیری نگاہوں میں ہے کائنات

مرے دیدہ تر کی بے خوابیاں مے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالہ نیم شب کانپ از
مری خلوت و انجمن کا لدا ز
اُمنگ کیں مری، آرزو تیں مری
اُسی دیں مری، جستجو تیں مری
مری فطرت اتینہ روزگار
غیر الان افکار کا مغر زار
مراد دل، مری رزم کا جہیات
گمانوں کے لشکر یقیں کا شہت
یہی کچھ ہے ساقی مستاع فقیر
اسی سے فقیر مری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے

لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے!

و مادہ رواں ہے یم زندگی
پیرا ک شے سے پیدا ریم زندگی
اسی سے ہوئی ہے بدن کی نمود
کہ شعلے میں پوشیدہ ہے موج وود
گراں کرچہ ہے صحبت آب و گل
خوش آتی اسے محنت آب و گل
یہ ثابت بھی ہے اور ستیا بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی
یہ وحدت ہے کثرت میں ہر دم اسیر
مگر ہر کہیں بے چلوں بے نظیر
یہ عالم، یہ بُت خانہ شش جہات
اسی نے تراشا ہے یہ سومنات
پسند اس کو تکرار کی خوشیں
کہ تو میں نہیں، اور میں تو نہیں

من و تو سے ہے انجمنِ مستریں مگر محسنِ نعل میں خلوت نشیں
 چمکاس کی بجلی میں تارے ہیں یہ چاندی میں سونے میں پارے ہیں
 اسی کے سیاہاں اسی کے نبول اسی کے ہیں کانٹے اسی کے ہیں ٹھول
 کہیں اس کی طاقت کے کُسا چور کہیں اس کے پھندے ہیں جبریل و عور
 کہیں بسترِ شاہین سیاب بند لہو سے چکوروں کے آلودہ چنک
 کہو تر کہیں اشیائے دور

پھڑکتا ہوا حال میں نا صبور

فریضے پر ہے سکون و ثبات تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
 ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود کہ ہر لحظہ ہے تازہ شانِ وجود
 سمجھتا ہے تورا ز ہے زندگی فقط ذوقِ پرواز ہے زندگی
 بہت اس نے دیکھے ہیں پست و بلند سفر اس کو منزل سے بڑھ کر پسند
 سفرِ زندگی کے لیے برک و بار سفر ہے حقیقت، حضر ہے محبان
 الجھ کر کس بھنے میں لذت اسے تڑپنے پھڑکنے میں احتاسے
 ہوا جب اسے سامنا موت کا کشن تھا بڑا تھا مناموت کا

اتر کر جہانِ مکانات میں رہی زندگی موت کی لہات میں
 مذاقِ دونی سے بنی زوج زوج اٹھی دشتِ کُہسار سے فوج فوج
 گل اس شاخ سے ٹٹتے بھی ہے اسی شاخ سے پھوٹتے بھی رہے
 سمجھتے ہیں ناواں اسے بے ثبات ابھرتا ہے مٹ مٹ کے نقشِ حیات
 بڑھی یہ زجولان بڑی زووس ازل سے ابد تک ہم یک نفس

زمانہ کہ زنجیرِ ایام ہے

دُموں کے الٹ پھیر کا نام ہے

یہ موجِ نفس کیا ہے تلوار ہے خودی کیا ہے، تلوار کی دھار ہے
 خودی کیا ہے رازِ درونِ حیات خودی کیا ہے، بیداری کا ثبات
 خودی جلوہ بدست و خلوت پسند سمندر ہے ال بُوند پانی میں بند
 اندھیرے اُجلے میں ہے تابناک من تو میں پیدا، من تو سے پال
 ازل اس کے پیچھے ابدِ سمنے نہ حد اس کے پیچھے نہ حدِ سمنے
 زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی
 تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی دوا دم نکا ہیں بدلتی ہوئی

سبک اس کے ہاتھوں میں سنگ لڑا
 سفر اس کا انجام آفتاز ہے
 کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں
 اسے واسطہ کیا کم و بیش سے
 پہاڑ اس کی ضربوں سے ریک رول
 یہی اس کی تقویم کا راز ہے
 یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں
 نشیب فراز و پس و پیش سے
 جھوٹی خالِ اوم میں صورت پذیر
 ازل سے ہے کشمکش میں اسیر

خودی کا شیمن تھے دل میں ہے

فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی کے نگہباں کو ہے زیرِ ناب
 وہی ناں ہے اس کے لیے ارجمند
 فروغِ مالِ محسود سے درگزر
 وہی سجدہ ہے لائقِ اتہام
 وہی ناں جس سے جاتی ہے اس کی آب
 رہے جس سے دنیا میں لہرون بلند
 خودی کو نگہ رکھ، ایاز می نہ کر
 یہ عالم کہ ہے زیرِ فرمانِ موت
 کہ جو جس سے ہر سجدہ تجھ پر حرام
 جہاں زندگی ہے فقط خور و نوش
 سامندر! یہ تیرا شیمن نہیں
 خودی لی یہ ہے نازلِ اولیں

ترمی آگ اس خال داں سے نہیں
 جہاں تجھ سے ہے تُو جہاں سے نہیں
 بڑھے جسا یہ کوہ کراں توڑ کر
 طلسم زمان و مکاں توڑ کر
 خودی شیر مولا، جہاں اس کا صید
 زمیں اس کی صید آسماں اس کا صید
 جہاں اور بھی ہیں ابھی بے نمود
 کہ حالی نہیں ہے سیرِ جو
 ہر اک منتظر تیرے یلغار کا
 تری شوخی فکرو کردار کا
 یہ ہے مقصد گردش روزگار
 کہ تیری خودی تجھ پہ چو آشکار
 تُو ہے فاتح عالمِ خوب و زشت
 تجھے کیسا تاؤں تری سر نوشت
 حقیقت پہ ہے جانہ صرف تنگ
 حقیقت سے آئینہ، لفٹار زند
 فروزاں ہے سینے میں شمعِ نفس
 مگر تابِ کفستار کہتی ہے بس!

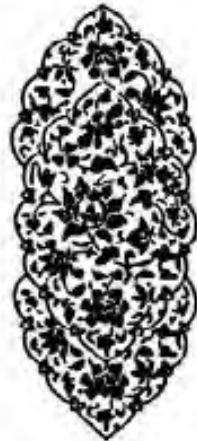
اگر یک سرِ موعے بر تو پر م
 منور غ تجبلی بسوزد پر م



زمانہ

جو تھا نہیں ہے جو ہے نہ ہو گا یہی ہے الِ حرفِ محرمانہ
 قریب تر ہے مود جس کی اُسی کا شتاق ہے زمانہ
 مری صراحی سے قطرہ قطرہ نئے عواث ٹپک رہے ہیں
 میں اپنی تسبیح روز و شب کا شمار کرتا ہوں دانہ دانہ
 ہر ایک سے آشنا ہوں لیکن جدِ اجدادِ رسمِ راہِ میری
 کسی کا رالِب کسی کا مرکب کسی کو عبرت کا تازیانہ
 نہ تھا اگر تو شرابِ محضِ دلِ قصورِ یہ ہے یا کہ تیرا
 ہر اطرعت نہیں کہ رلھ لوں کسی کی خاطر مے شبنام
 مے حسنم و میچ کو نجومی کی آنکھ چھپانتی نہیں ہے
 ہدف کے سیکانہ تیرا سر کا نظر نہیں جس کی عارف نہ

شفق نہیں سب لبی افق پر یہ جُتے جُتے خوں ہے یہ جُتے جُتے خوں ہے
 طلوعِ منور کا منتظر رہ کہ دوشِ امروز ہے فنا
 وہ گزرتا جس نے غماں کیا ہے فطرت کی طاقتوں کو
 اُسی کی بیتاب بھلیوں سے خطر میں ہے اُس کا اشیانہ
 جو امیں اُن کی فضا میں اُن کی ہمندر اُن کے جہاز اُن کے
 گھر بھنور کی کھلے تو کیونکر بھنور ہے تعتیر کا بہانہ
 جہاں نو چور ہا ہے پیدا، وہ عالم پیر مر رہا ہے
 جسے نہ ملی نعمت ابروؤں نے نہ بنا دیا ہے قمار خانہ
 ہوا ہے کوشش و تیز لکین چہ راغ اپنا جبار ہا ہے
 وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیے ہیں اندازِ خسروا



فرشتے ادم کو جنت سے رخصت کرتے ہیں

عطا ہوتی ہے تجھے نو و شب کی بیتیابی
خبر نہیں کہ ٹوٹ کی ہے یا کہ سیلابی
سنا ہے خال سے تیری نمود ہے، لیکن
ترمی ہر شست میں ہے کوبھی و متابی
جمال اپنا خواب میں بھی تو دیکھے
ہزار ہوش سے خوشتر تری شکل خوابی
کہاں بہل ہے ترا لرزہ سحر کا ہی
اسی سے ہے ترنخس لہن کی شادی

ترمی نوا سے ہے بے پردہ زندگی کا ضمیر
کہ تیرے ساز کی فطرت نے کی ہے ہضرتی

روح ارضی ادم کا استقبال کرتی ہے

کھول اٹکھ زمین دیکھ، فلک دیکھ، فضا دیکھ
مشرق سے ابھرتے سوتے سورج کو ذرا دیکھ
اس جلوہ بے پردہ کو پردوں میں چھپا دیکھ
ایام جدائی کے ستم دیکھ، جفا دیکھ
بے تاب نہ ہو کہ تویم ورجا دیکھ!

۱۳۷
 ہیں تیری تصرف میں بادل لہیٹاتیں کیسے بد فدا کی یہ خاموش فضا میں
 یہ کوہ صحرایہ سمندر یہ جوائیں تھیں شین نظر کل تو فرشتوں کی ادائیں

اسی نہ ایام میں آج اپنی ادا دیکھ! سمجھے گا زمانہ تری آنکھوں کے اشارے
 دیکھیں گے تجھے دُور سے لڑکوں کے ستارے ناپید ترے بحرِ خستیل کے کنارے
 پہنچیں گے فلک تک تری آہوں کے شرارے تعمیرِ خودی کو اثرِ آہِ رسا دیکھ!

خورشیدِ جہاں تاب کی ضوئیں شہر میں آباو ہے اک تازہ جہاں تیرے ہنر میں
 بچتے نہیں بخشے ہوئے فروغِ نظر میں جنتِ تری نہاں ہے ترے خونِ جگر میں
 اے پیکرِ کل کوششِ سپہیم کی بسزا دیکھ!

نالندہ ترے غمو کا ہر تار ازل سے تو جنسِ محبت کا خیرِ ازل سے
 تو پیرِ غمِ خانیہ اسرارِ ازل سے محنت کش و غولِ ریزو لم ازارِ ازل سے
 ہے رالتِ بہت درِ جہاں تیری خفا دیکھ!



پیر و مرید

مرید ہندی

چشمِ بینا سے ہے جاری جوتے نچوں علمِ حاضر سے ہے دیں زار و زبوں!

پیر رومی

علم را بر تن زنی مارے بود
علم را بر دل زنی یارے بود

مرید ہندی

اے امامِ عاشقانِ درویشدا یاد ہے مجھ کو ترا حرفِ بلند

نخکِ مغز و خشکِ تار و خشکِ پوست

از کجِ سامی آید این آوازِ دوست

وہرِ حاضرِ مستِ چنکِ ڈبے سرور بے ثبات و بے عیتینِ ڈبے حضور

کیا خبر اس کو کہ ہے یہ راز کیا ^{۱۳۹} دوست کیا ہے دوست کی آواز کیا

آہ، یورپ با فروغ و تاب نال
نغمہ اس کو ٹھنچتا ہے سوتے خال

پیر رومی

بر سماع راست ہر س چیر نیست
طعمہ ہر فرعن کے انجیر نیست

مرید ہندی

پڑھ لیے میں نے علوم شرق و غرب روح میں باقی ہے اب تک در و کرب

پیر رومی

دست ہر نایل بیمار ت کند
سوتے ماوراء التیمارت کند

مرید ہندی

انے بگتیری مے دل کی کشاد کھول مجھ پر نکستہ حکم جہاد

پیر رومی

نقشِ حق را ہم بہ امرِ حق شکن
بزر جارج دوستِ سببِ دوستِ زن

مریدِ ہندی

ہے نگاہِ حنا اور اس مسخِ غریب
خو جنت کے ہوشِ سرِ غریب

پیر رومی

ظاہرِ نفرت و کراہید است و نو
دست و جامہ ہم سیہ کرد و ازو

مریدِ ہندی

اے مکتب کا جوانِ گرمِ خون! ساحرِ افرنک کا صیدِ زبوں!

پیر رومی

مُرخِ پرناہِ ستہ چوں پراں شود
طعمِ ہر کربہ در اں شود

مرید ہندی

تاجب آویزش دین و وطن جو ہر جاں پر مقدم ہے بدن!

پیر رومی

قلب پہلومی زند بازربشب

انتظار روز می دارد دہسب

مرید ہندی

سہرا دم سے مجھے آگاہ کر خاک کے ذرے کو مہر و ماہ کرا!

پیر رومی

ظاہر شراپشتہ آرد بحسرخ

ہنش آمد محیط ہفت چرخ

مرید ہندی

خاک تیرے نور سے روشن بھر غایتِ آدم خبر ہے یا نظر؟

پیر رومی

اومی دید است، باقی پوست است
وید آں باشد کہ دید دوست است

مرید ہندی

زندہ ہے مشرق تری گُفتارے اُمتیں مرقی ہیں کس آزارے؟

پیر رومی

چہ ہر ایک اُمت پیشیں کہ بود
زانکہ جہنم دل لساں برونمود

مرید ہندی

اب مسلمان میں نہیں وہ رنگ و بو سر و کیونکر ہو گیا اس کا لہو؟

پیر رومی

تا دل صہا جب دے نامد بہ درد
ہیچ قومے راحت از سوانہ کرد

مرید ہندی

گرچہ بے رونق ہے بازارِ وجود کون سے سوئے میں ہے مردوں کا سُود؟

پیر رومی

زیر کی بندہ نش و حیرانی بخر
زیر کی نطق است و حیرانی نظر

مرید ہندی

ہم نفس میرے سلاطین کے ندیم ہیں فقیر بے کُلاہ و بے کلیم!

پیر رومی

بندہ یک مرد روشن دل شوی
بہ کہ برفرقِ سر شاہاں روی

مرید ہندی

اے شرکِ مستی خاصانِ بد میں نہیں سمجھا حدِ شربِ جبر و قدرا

پیر رومی

بال بازاں راسوئے سلطان برد
بال زباں را بلورستان برد

مرید ہندی

کار و بار خسروی یا راہی کیا ہے آخر غایت دین نبی؟

پیر رومی

مصلحت در دین ما جنک و شکوہ
مصلحت در دین عیسیٰ غار و لوہ

مرید ہندی

کس طرح قابو میں آئے اب وکل کس طرح بیدار ہوئے سینے میں دل؟

پیر رومی

بندہ باش و بر زمین رو چوں سمند
چوں جنازہ نے کہ برگردن بر بند

مریدِ ہندی

سُردیں اور اک میں آتا نہیں کس طرح آئے قیامت کا یقین؟

پیرِ رومی

پس قیامت شوقِ قیامت اب ہیں
ویدن ہر چیز را شرطِ است این

مریدِ ہندی

آسماں میں راہ کرتی ہے خودی صیدِ مہر و ماہ کرتی ہے خودی
بے حضور و با فروغ و بے فراغ اپنے نخیروں کے ہاتھوں داغ داغ!

پیرِ رومی

اں کہ از دھیدِ عشق است و بس
لیکن او کے گنجد اندرِ دایم کس!

مریدِ ہندی

تجھ پہ روشن ہے ضمیرِ کائنات کس طرح محکم ہو ملت کی حیات؟

پیر رومی

وانہ باشی مرغِ کانتِ جہ پند
 غنچہ باشی کو دکانِتِ برکت پند
 وانہ پنہاں کن سراپا دام شو
 غنچہ پنہاں کن لسیہ بام شو

مرید ہندی

تو یہ کہتا ہے کہ دل کی کڑ تلاش طالبِ دلِ بَش و دِ پیکارِ بَش
 جو مرادِ دل ہے مے سینے میں ہے میرا جو ہر مے کرا تے میں ہے

پیر رومی

تو بھی کوئی مرادِ دلِ نیرست
 دلِ فرازِ عرشِ باشد نے بہ پست
 تو دلِ خود را دے پندِ اشتی
 جستجوے اہلِ دلِ بکندِ اشتی!

مرید ہندی

آسمانوں پر مرا فکیر بلند میں زمیں پر خوار و زار و درمند
کار دنیا میں ہا جاتا ہوں میں ٹھوکریں اس اہ میں کھاتا ہوں میں
کیوں میرے بس کا نہیں کار زمیں ابلہ دنیا ہے کیوں دانتے دیں؟

پیر رومی

اں کہ بر منال رفتار شہ
بر زمیں رستن چہ دشوار شہ

مرید ہندی

علم و حکمت کاٹے کیونکر سراغ کس طرح ہاتھ آئے سوز و درد و داغ؟

پیر رومی

علم و حکمت زاید از نان حلال
عشق و وقت آید از نان حلال

مرید ہندی

ہے زمانے کا قہر اضا انجمن اور بے خلوت نہیں سوز سخن!

پیر رومی

خلوت از اغیار یائے زیار
پوستیں بہر دے آمد نے بہار

مرید ہندی

ہند میں اب نور ہے باقی نہ سوز اہل دل اس دس میں ہیں تیر و ز

پیر رومی

کار مرداں روشنی و کرمی است
کار دونان حیلہ و بے شرمی است



جبریل و ابلیس

جبریل

ہمدرد و پریت کیسا ہے جہاں رنگ و بو؟

ابلیس

سوز و ساز و درد و داغ و جستجوے و آرزو

جبریل

ہر گھڑی فناک پر رہتی ہے تیری کُشت کو
کیا نہیں ممکن کہ تیرا چاکہ امن ہو فو؟

ابلیس

آہ اے جبریل! تو واقف نہیں اس اُز سے
کہ کیا سرست مجھ کو ٹوٹ کر میرا سبُو
اب یہاں میری کُز ممکن نہیں ممکن نہیں
کس قدر خاموش ہے یہ عالم بے کاخ و کُلو!

جس کی نوہمیدی سے ہوسوز درون کا سنت
اُس کے حق میں تَقْنَطُوا اچھا ہے یا لَا تَقْنَطُوا؟

حبر تل

کھودیے انکار سے تُو نے مقامات بلند
چشمِ یزداں میں فرشتوں کی رہی کیا ابرو!

ابلیس

ہے مری جُرات سے مشتبہ خال میں ذوقِ نمو
میرے فتنے جاغی تل و نر و کا تار و پو
دیکھتا ہے تُو فقط حاصل سے زخمِ شہر
کون طوفاں کے طمانچے کھا رہا ہے، میں کہ تو؟
خضر بھی بے دستِ پا، الیا کس بھی بے دستِ پا
میرے طوفاں میں بہیم، دریا بہ دریا، جو بہ جو
کہ کبھی خلوتِ مستر ہو تو پوچھ اللہ سے
قصۂ آدم کو رنجیں کہ کیا کس کا لہو!

۱۵۱
میں کھٹکتا ہوں دل نیرواں میں کانٹے کی طرح
تو فقط اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو!

اذان

اک رات ستاروں سے کہا نجمِ حسر نے
اوم کو بھی دیکھا ہے کسی نے بھی بیدار؟
کہنے لگا مرتجح، ادا فہم سے تفتدیر
ہے نیند ہی اس چھوٹے سے فتنے کو سزاوار
زہرہ نے کہا اور کوئی بات نہیں کیا؟
اس لڑکے شب کو رے کیا چم کو سہ کار!
بولا مہِ کامل کہ وہ کو کب ہے بربانی
تم شب کو نمودار ہو، وہ دن کو نمودار
واقف ہو الرلذت بیداری شب سے
اونچی ہے تریا سے بھی یہ حالِ پراسر!

انگوشت میں اس کی وہ تھلی ہے کہ جس میں
 لکھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و تیار
 ناکا و فضیلت بانگِ اذان سے ہوتی لبِ ریز
 وہ نعرہ کہ پل جاتے جس سے دل کھسار

محبت

شہیدِ محبت نہ کا منہ خازی محبت کی رسمیں نہ ترکی نہ تازی
 وہ کچھ اوشے ہے محبت نہیں ہے سکھاتی ہے غم نہ نوی کو ایازی
 یہ جو ہر کارِ نہ مانہیں ہے تو ہیں علم و حکمت فقط شیشہ بازی
 نہ محتاجِ سلطان نہ مرعوبِ سلطان محبت ہے آزادی و بے نیازی

میرِ فخت بہتر ہے اکھنڈی سے
 یہ آدمِ لری ہے وہ آئینہ سازی



ستارے کا پیغام

مجھے ڈرانہیں سکتی فضا کی تاریکی مری سرشت میں ہے پاکی و خوشانی
تُو اے مسافر شبِ انحر و چراغِ بنِ اپنا کر اپنی رات کو داغِ جگر سے نورانی

جاوید کے نام

(لندن میں اُس کے ہاتھ کا لکھا ہوا پسلا خط آنے پر)

دیارِ عشق میں اپنا مسمت ام پیدا کر نیاز مانہ نئے صبح و شام پیدا کر
خدا اگر ولِ فطرت شناس ہے تجھ کو سکوتِ لالہ و گل سے کلام پیدا کر
اٹھانہ شیشہ لہرانِ فرنگ کے احساں سفالِ ہند سے سینا و جام پیدا کر
میں شاخِ تال ہوں مہرِ غزل ہے میرا مے مے لالہ و فام پیدا کر

مرا طریقِ اسی میری نہیں فقیری ہے

خودی نہ بیچ عسیری میں نام پیدا کر!



فلسفہ و مذہب

یہ آفتاب کیا، یہ سپہرِ بریں ہے کیا!
 سمجھا نہیں سلسلِ شام و بحرِ کوئیں
 اپنے وطن میں ہوں کہ عنبرِ الٰہیہ ہوں
 ڈرتا ہوں دیکھ دیکھ کے اس دشت و در کوئیں
 کھلتا نہیں مرے سحرِ زندگی کا راز
 لاؤں کہاں سے بندۂ صہابِ نطن کوئیں
 حیراں ہے بُوعلی کہ میں آیا کہاں سے ہوں
 رومی یہ سوچتا ہے کہ جاؤں لکھنؤ میں
 ”جاتا ہوں تھوڑی دُور ہر اک راہرو کے ساتھ
 پہچانتا نہیں ہوں ابھی رہا ہوں کوئیں“



یورپ کے ایک خط

ہم جو کہ محسوس میں ساحل کے خریدار
اک بحرِ رُپ شوب و پُر اسرار ہے رومی
تو بھی ہے اسی قافلہ شوق میں اقبال
جس قافلہ شوق کا سالار ہے رومی
اس عصر کو بھی اُس نے دیا ہے کوئی پیغام
کہتے ہیں چراغِ رہِ اسرار ہے رومی

جواب

کہ گنبدِ خور و جو ہمچوں خراں
اُنہوانہ درختن چہ راغواں
ہر کہ گاہ و جو خور و تیرباں شود
ہر کہ نورِ حق خور و شرآں شود

نیولین کے مزار پر

راز ہے، راز ہے تفتِ دیرِ جہانِ تک و تاز
جو شرِ کردار سے کھل جاتے ہیں تفتِ دیر کے راز

جوشِ کردار سے شمشیرِ سکندر کا طلوع
 کوہِ الوُند چُواجس کی حرارت سے کداز
 جوشِ کردار سے تیمور کا سیلِ ہمگیر
 سیل کے سامنے کیا شے ہے نشیب اور فراز
 صفِ جنگاہ میں مردانِ حند کی تجسیر
 جوشِ کردار سے بنتی ہے حند کی آواز
 ہے مگر فرصتِ کردار نفسِ مادیو نفس
 عوضِ یکِ نفسِ قبر کی شبِ ٹائے و راز
 ”عاقبت منزلِ ما وادیِ خاموشان است
 حالیہ غلغلہ در لسنِ بدِ افلاک انداز“

مسوینی

نڈرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ذوقِ انقلاب
 نڈرتِ فکر و عمل کیا شے ہے ملتِ کاشباب

نڈرت فکر و عمل سے معجزاتِ زندگی
 نڈرت فکر و عمل سے سببِ خوارِ حاصلِ ناب
 رومتہ الکتبِ رنے دگر لوں پہ لیس تیرا ضمیر
 اینکہ می بینم یہ بریدارِ سیت یارب یا بہ خواب
 چشمِ سپہِ ان لُسن میں زندگانی کا فروغ
 نوجوان تیرے ہیں سوزِ آرزو سے سینہ تاب
 یہ محبت کی حرارت، یہ تمنا، یہ نمود
 فصلِ گل میں پھول رہ سکتے نہیں زیرِ حجاب
 نغمہ ہائے شوق سے تیری فضا مسمور ہے
 زخمِ ور کا منتظر تھا تیری فطرتِ کارِ باب
 فیضِ یہ کس کی نظر کا ہے لراست کس کی ہے؟
 وہ کہ ہے جس کی نگہ شل شعاعِ آفتاب



سوال

اک مفلس خود داریہ لہتا تھا خدا سے میں کر نہیں سکتا کلمہ درود تیری
لیکن یہ بتا تیری اجازت سے فرشتے کرتے ہیں عظام و فرومایہ کو میری

پنجاب کے دہقان سے

بتا کی تری زندگی کا ہے از ہزاروں برس سے ہے تو خال باز
اسی خال میں دب لئی تیری آگ سحر کی ازاں جھولتی اب تو جاگ!
زمین میں ہے لو خالیوں کی برات نہیں اس اندھیرے میں اب حیات
زمانے میں جھوٹا ہے اس کانجیوں جو اپنی خودی کو پرکھتا نہیں
بتانِ شعوب و قبائل کو توڑ رسوم کٹن کے سلاسل کو توڑ
یہی دینِ محکم، یہی مستحباب کہ دنیا میں توحید ہو بے حجاب

بجائے بدن دانہ دل نشاں
کہ اس دانہ داروز حائل نشاں

نادر شاہ افغان

حضور حق سے حلالے کے نولوئے لالا
 وہ ابر جس سے رک گُل ہے شل تارِ نفس
 بہشت راہ میں دیکھا تو چو کیا بیتاب
 عجب مقام ہے جی چاہتا ہے جاؤں برس
 صدا بہشت سے آتی کہ منتظر ہے ترا
 ہرات و کابل و غزنی کا سبزۂ نورس
 سرشک دیدۂ نادر بہ داغ لالہ فشاں
 چناں کہ آتشیں اورا دلفنوزِ نشان!



خوشحال خاں کی وصیت

قبائل ہوں ملت کی وحدت میں گم کہ جو نام فغانیوں کا بلند
 محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کست
 مغل سے کسی طرح کست نہیں قہستان کا یہ بچہ ہر جہت
 کہوں تجھ سے اے ہم نشین دل کی بات وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
 اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ
 مغل شہسواروں کی گرجِ سمنند

تاتاری کا خواب

کہیں سجتا وہ عمتِ مہرین کہیں ترسا بچوں کی چشمِ بے بال!

✽ خوشحال خان خٹک پشتو زبان کا مشہور وطن دوست شاعر تھا جس نے افغانستان کو مغلوں سے آزاد کرانے کے لیے سرحد کے افغانی قبائل کی ایک جمیعت قائم کی۔ قبائل میں صرف فریدیوں نے آخر دم تک اُس کا ساتھ دیا۔ اِس کی قریب ایک سو نظموں کا انگریزی ترجمہ ۱۸۶۲ء میں لندن میں شائع ہوا تھا۔

ردائے دین و ملت پارہ پارہ
قباۓ ملک و دولت چاک در چاک!
مرا ایماں تو ہے باقی و بس کن
نہ کھا جائے کہیں شعلے کو خاشاک!
ہوائے تشنہ کی موجوں میں محصور
سمرقند و بخارا کی کھنکھار!

بلدِ اکبر و خوجستہ اکنہ یسنم

بلا انہ شتری و من یسنم

یہ کایک پل کتنی حنا کِ سمرقند
اٹھا تیمور کی تربت سے اک نور
شفقِ آمیز تھی اس کی سفیدی
صدائے آتی کہ میں ہوں رُوحِ تیمور
اکر محصور ہیں مردانِ تاتار
نہیں اللہ کی قدرتِ محصور
تقاضا زندگی کا یہی ہے
کہ تُو رانی ہو تُو رانی سے مہجور؟

’خودی را سوز و تابی دیکرے وہ‘

’جہاں را انعتابی دیکرے وہ‘

* یہ شعر معلوم نہیں کس کا ہے، نصیر الدین طوسی نے غالبؔ

’شرح اشارات‘ میں اسے نقل کیا ہے

حالِ معتم

دل زندہ و بیدار اگر ہو تو بہت دیر
 بندے کو عطا کرتے ہیں چشمِ بکراں اور
 احوال و مقامات یہ موقوف ہے سب کچھ
 ہر لحظہ ہے سالک کا زماں اور مکاں اور
 الفاظِ معنائی میں تفاوت نہیں لیکن
 مُلا کی ازاں اور، مجاہد کی ازاں اور
 پرواز ہے دونوں کی اسی ایک فضا میں
 گرس کا جہاں اور ہے شاہین کا جہاں اور

* ابو العلامہ عمری

کہتے ہیں کبھی کبھی نہ لھاتا تھا عمری
 پھل پھول یہ کرتا تھا ہمیشہ گزر اوقات

* ابو العلامہ عمری، عربی زبان کا مشہور شاعر

اک دوست نے بھونا ہوا تیرے اُسے بھیجا
 شاید کہ وہ شاطر اسی ترکیب سے چومات
 یہ خوان ترو تازہ معترسی نے جو دیکھا
 کہنے لگا وہ صاحبِ عنفران * و لزومات *
 اے مرغابِ بیچ پارہ! ذرا یہ تو بتاؤ
 تیرا وہ کُنہ کیا تھا یہ ہے جس کی مکافات؟
 افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بناؤ
 دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات
 تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
 ہے خُبرِ ضعیفی کی سزا مرگِ منافات!



* عنفران — رسالۃ الغفران، معترسی کی ایک مشہور کتاب کا نام ہے

* لزومات — اس کے قصائد کا مجموعہ ہے

سنیما

وہی بُت فروشی، وہی بُت گری ہے سنیما ہے یا صنعتِ ازری ہے
وہ صنعت نہ تھی بشیوہ کافر می تھا یہ صنعت نہیں شیوہ ساحری ہے
وہ مذہب تھا اقوامِ عہدِ کُن کا یہ مذہب حاضر کی سوداگری ہے

وہ دُنیا کی مٹی، یہ دُنخ کی مٹی
وہ بُت خانہ خالی، یہ خاکسری ہے

پنجاب کے پیرزادوں سے

خانہ بہانہ میں شیخ مجتہد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیرِ فلکِ مطلعِ انوار
اس خاک کے دُڑوں سے ہیں سرِ منہ ستارے

اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحبِ اسرار
کروں نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفسِ کرم سے ہے گرمیِ اصرار

وہ چاند میں سرمایہ ملت کا نگہباں
 اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار
 کی عرض یہ میں نے کہ عطا فرما ہو مجھ کو
 آنکھیں مری سینا ہیں، لیکن نہیں بیدار
 آتی یہ صد اسلمہ فقر ہوا بند
 ہیں اہل نظر کشور پنجاب سے بیزار
 عارف کا ٹھکانا نہیں وہ خطہ کہ جس میں
 پیدا کلمہ فقر سے ہو طرہ دستار
 باقی کلمہ فقر سے مھتا ولولہ حق
 طُروں نے چڑھایا نشہ خدمت سرکار

سیاست

اس کھیل میں تعین مراتب ہے ضروری
 شاطر کی عنایت سے تو فرز میں پایہ
 بیچارہ پیادہ تو ہے اک مہرہ ناپسند
 فرز سے بھی پوشیدہ ہے شاطر کا ارادہ

فقر

اک منقر بکھاتا ہے صیاد کو پنچیری
 اک منقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہاں لیری
 اک منقر سے قوموں میں کینی و لکیری
 اک منقر سے مٹی میں خاصیتِ اسیری
 اک منقر ہے شبیری اس فقر میں ہے میری
 میراثِ مسلمانانِ ہر ایہ شبیری!

خودی

خودی نہ دے سیم زر کے عوض نہیں شعلہ دیتے شر کے عوض
 یہ کہتا ہے منرد وہی دیدوار عجم جس کے سرمے سے روشن بھر
 ”زبہرِ درمِ مند و بد خو مباش
 تو باید کہ باشی درم کو مباش“

جُدائی

سُورج مُنت ہے تارِ زر سے دُنیا کے لیے روا تے نوری
عالم ہے خموش و مست گویا ہر شے کو نصیب ہے حضورِ
دریا، لُہسار، چاند، تارے کیا جانیں فراق و ماصبوری

شایاں ہے مجھے غمِ جُدائی
یہ حال ہے محرمِ جُدائی

خانقاہ

رمز و ایسا اس زمانے کے لیے مٹوؤں نہیں
اور آتا بھی نہیں مجھ کو سخنِ سازی کا فن
”قُم باذن اللہ“ کہہ سکتے تھے جو رخصت ہوتے
خانقاہوں میں محب اور رہ گئے یا لور کن!



ابلیس کی عرضداشت

کہتا تھا عزازیل خداوندِ جہاں سے
 پر کالہ آتش ہوئی آدم کی کعبِ خال!
 جاں لاغر و تنِ سربہ و ملبوس بدنِ زیب
 دلِ نزع کی حالت میں، ضرر و بختہ و چالال!
 ناپاک جسے کہتی تھی مشرق کی شریعت
 مغرب کے فقیہوں کا یہ فتویٰ ہے کہ ہے پال!
 تجھ کو نہیں معلوم کہ حورانِ بہشتی
 ویرانیِ جنت کے تصور سے ہیں غمِ ناک؟
 جہنم کے ابلیس ہیں اربابِ سیاست
 باقی نہیں اب سیری ضرورت تہِ افلال!



لہو

اگر لہو ہے بدن میں تو خوف ہے نہ ہراس
اگر لہو ہے بدن میں تو دل ہے بے وسواس
جسے بلا یہ مستلوع کراں بہا، اُس کو
نہ سیم و زر سے محبت ہے نہ عنیم افلاس

پرواز

کہا درخت نے اک روز مرغِ صحرا سے
ستم یہ عنیم کدۂ زہک و بوکی ہے بنیاد
خدا مجھے بھی الٰہِ ربّال و پر عطا کرتا
شکفتہ اور بھی ہوتا یہ عالمِ احباب
و یا جواب اُسے خوب مرغِ صحرا نے
غضب ہے داد کو سمجھا اٹھو ہے تُو بیدا
جہاں میں لذتِ پرواز حق نہیں اُس کا
وجود جس کا نہیں جذبِ خال سے آزاد

شیخ مکتب سے

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے رُوح انسانی
 کلمتہ دلپذیر تیرے لیے کہ گویا ہے حکیم و تاسانی
 ”پیش خورشید برش یوا“
 خواہی ار صحن حنائہ نورانی“

فلسفی

بلند بال تھا، لیکن نہ تھا جسور و غیور
 حکیم بہ محبت سے بے نصیب ہوا
 پھر افضلاؤں میں گر لے کر چہ شاہین و ار
 شکار زندہ کی لذت سے بے نصیب ہوا



شاہیں

کیا میں نے اُس خالِ داس سے کنار
 بیاباں کی خلوتِ خوش آتی ہے مجھ کو
 نہ بادِ باری نہ گلچیں، بلبل
 خیابانیوں سے ہے پر پیہر لازم
 ہوائے بیاباں سے ہوتی ہے کاری
 حمام و کبوتر کا بھوکا نہیں میں
 جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا
 یہ پورب یہ پچھم جلوں کی دنیا
 جہاں زرق کا نام ہے آبِ دُن
 ازل سے ہے فطرت مری آہستہ
 نہ بیاری نہ غم نہ عاشقتانہ
 اوائیں ہیں ان کی بہت دُسرانہ
 جواں مرد کی ضربتِ عنازیانہ
 کہ ہے زندگی باز کی زاہدانہ
 لہو کرم رکھنے کا ہے اک بہانہ
 مرا نیلگوں آسمان بیکرانہ

پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
 کہ شاہیں بناتا نہیں اشیانہ



باغی مُرید

ہم کو تو میسٹر نہیں مٹی کا دیا بھی
 گھر پیر کا بجلی کے چراغوں سے ہے روشن
 شہری ہو، دیہاتی ہو، مسلمان ہے سادہ
 مانند بتاں پُختے ہیں لعبے کے برہمن
 نذرانہ نہیں، سوو ہے پیرانِ حرم کا
 ہر حرفتہ سالوس کے اندر ہے مہاجن
 میراث میں آتی ہے انھیں سندِ ارشاد
 زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن!

ہارون کی آخری نصیحت

ہارون نے کہا وقتِ رحیل اپنے پسر سے
 جاتے کا کبھی تُو بھی اسی راہِ کُزر سے

پوشیدہ ہے کافر کی نظر سے ملک الموت
لیکن نہیں پوشیدہ مسلمان کی نظر سے

ماہر نفسیات سے

جُرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گزر جا
ہیں محسوس خودی میں ابھی پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں اس قلزم خاموش کے اسرار
جب تک تو اسے ضربِ کلیمی سے نہ چھیے

یورپ

تال میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سُود خوا
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ
خود بخود کرنے کو ہے پلے ہوئے پھل کی طرح
دیکھیے پڑتا ہے آخر کس کی جھولی میں فرنگ!

آزادی افکار

جو دُونی فطرت سے نہیں لائق پرواز
 اُس مُرغاب بیچارہ کا انجام ہے اُفتاد
 ہر سینہ نشین نہیں جبریل امین کا
 ہر نکر نہیں طائر فردوس کا صیاد
 اُس قوم میں ہے شوخی اندیشہ خطرناک
 جس قوم کے اندر اچھوں ہر بے آزاد
 گوئی کبر خدا واد سے روشن ہے زمانہ
 آزادی انکار ہے ابیس کی ایجاد

شیر اور خچر

شیر
 ساکنانِ دشت و صحرا میں ہے تو سب سے لگ
 کون ہیں تیرے اب و جد کس قبیلے سے ہے تُو؟

خچر

میرے ماموں کو نہیں پہچانتے شاید حضور
وہ صبارِ فقارِ شاہی صطبل کی ابرو!

(ماخوذ از جرمن)

چیونٹی اور عقاب

چیونٹی

میں پائمال و خوار و پریشان و دردمند
تیرا مست کم کیوں ہے ستاروں سے بھی بلند؟

عقاب

تُو رِزق اپنا ڈھونڈتی ہے خاکِ راہ میں
میں نہ سپر کو نہیں لاتا نگاہ میں!

۱۷۶
قطعہ

فطرت مری مانندِ سیمِ سحری ہے
 رفتار ہے میری کبھی آہستہ کبھی تیز
 پہناتا ہوں اس کی قبلا لالہ و گل کو
 کرتا ہوں سحرِ سار کو سوزن کی طرح تیز

قطعہ

گل اپنے مُریوں سے کہ اپیرمغاں نے
 قیمت میں میرے ہونے کے چند
 زہر ہے اُس قوم کے حق میں مے افرب
 جس قوم کے بچے نہیں خود وار و بھند

